ALAHAZRAT NETWORK
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org
رمضان کے احکام میں جنت کی راہ
ھدایۃ الجنان
باحکام رمضان
۱۳۲۳ھ
رمضان کریم
تصنیف لطیف:۔
اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

هدایۃ الجنان باحکام رمضان

۱۳۲۳ھ

(رمضان کے احکام میں جنّت کی راہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۶۲ از شاہجہان پور محلہ جگدل نگر متصل اسٹیشن ریلوے مرسلہ محمد فصاحت اللہ خاں ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

بعد ادائے آداب کے عرض پرداز ہُوں کہ ایک اشتہار مولوی اعظم شاہ صاحب نے بابت افطار و سحری رمضان المبارک و نیز چند مسائل روزے کے جو اوپر نقشہ اور پشت پر نقشہ لکھے ہیں شائع کر کے تقسیم کرائے ہیں جو کہ شاہجہان پور میں سال گزشتہ میں بابت چاند عید اضحیٰ نزاع ہوچکا ہے اس خیال سے اس نقشہ کی بابت تحقیقات کرنا ضروری ہے۔ آج کے روزے کا نقشہ دیا ہُوا بابت افطار و سحری اور نقشہ مولوی اعظم شاہ اور نقشہ مولوی ریاست علی خان صاحب کا مقابلہ کیا گیا جو اعظم شاہ کے نقشہ اور آپ کے نقشہ سے بہت فرق آیا بابت سحری کے، اور آپ کا نقشہ اور مولوی ریاست علی خاں کا نقشہ قریب قریب ہے جو کہ اب ایسی حالت میں بڑا نقصان کم علموں کا ہو رہا ہے اور ہوگا کیونکہ کل کے روز ایک عورت نے چار بج کر چالیس منٹ پر سحری کھائی، اور جب اُس کی حالت مولوی اعظم کو معلوم ہُوئی تو اُنھوں نے فرمایا کہ روزہ جاتا رہا اس پر اس نے روزہ توڑ ڈالا

جب مولوی ریاست علی خاں صاحب سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اُس کا روزہ تھا کیونکہ وُہ وقت سحری کھانے کا تھا اور نیز اس اشتہار میں جو مسائل بابت رمضان المبارک اور روقت افطار اور وقت سحری اور مسائل تراویح کے لکھے ہیں وہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صحیح لکھے ہیں یا نہیں، بندہ اشتہار مذکور روانہ خدمت عالی کرتا ہے اور بعد ملاحظہ جملہ اشتہار کے اس کے صحیح اور غیر صحیح پر توجہ فرمائی جائے، اور اگر غلط ہے تو جس جس مسئلہ میں غلطی ہو اُس کا جواب بحوالہ کتاب ارقام فرما دیجئے، اگر نقشہ غلط ہو تو بابت نقشہ کے اسی قدر کافی ہے کہ نقشہ غلط ہے اور اس اشتہار کے بھیجنے کی بابت جناب مخدوم و مکرم مولوی ریاست علی خان صاحب نے بھی تاکید فرمائی تھی جب میں نے عرض کیا تھا کہ اس اشتہار کو بریلی روانہ کروں گا تو فرمایا کہ ضرور بھیج دو تاکہ وہاں سے جواب آنے کے بعد اُس اشتہار کی صحت اور غلطی کا اعلان کرا دیا جائے، فقط۔

الجواب

بعد مراسم سنت ملتمس، بعد سوال جواب واجب اور روقت وجوب اظہار صواب لازم، اوقات صحیح نکالنے کا فن جسے علم توقیت کہتے ہیں، ہندوستان کے طلبہ تو طلبہ اکثر علماء اس سے غافل ہیں، نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے نہ ہیأت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے اور جو کچھ مسالہ مولوی مسیح الدین خاں کا کوروی وغیرہ بنا گئے وہ فقط ناکافی ہی نہیں بلکہ سخت اغلاط میں ڈالنے والا ہے، یونہی مرزا خیر اللہ منجم کی دو حرفی جدول سے کوئی ناواقف فن نفع نہیں پاسکتا، اگر کسی نے بڑی تحقیقات چاہی تو زیج سعادت خانی کی جداول تعدیل النہار سے کام لیا، سحری کو تو اُن سے کچھ تعلق ہی نہیں اور افطار میں بھی ناقص ہے جب تک متعدد ضروری اصلاحیں اُس کے ساتھ شریک نہ ہوں، پھر جسے وُہ اصلاحیں آتی ہیں اُسے اُن جداول کی کیا حاجت، فقیر نے اس فن میں نہ نری کتابی باتوں پر اعتماد کیا نہ خالی دلائل ہندسیہ پر، نہ تنہا تجربہ و مشاہدہ پر، بلکہ سب کو جمع کیا اور بتوفیق الٰہی اپنی ذہنی جدتوں سے بہت کچھ کام لیا یہاں تک بفضلہ تعالٰی برہان وعیان کو مطابق کر دیا، میرا نقشہ بفضلہ تعالٰی جزاف نہیں ہوتا جو ہیأت وہندسہ جانتا ہو وُہ اُسے براہین کے مطابق پائے گا اور جو نگاہ رکھتا ہو صبح صادق وکاذب کو دیکھ کر پہچان سکتا ہو وُہ اسے مشاہدہ سے موافق پائے گا، میرے نقشوں میں بریلی کی سی سحری وافطار میں پانچ پانچ منٹ کی احتیاط ہوتی ہے اور دوسرے شہروں کا تقریبی وقت بھی اُسی صحت کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ کم وبیش چار پانچ منٹ احتیاطی رہیں۔ جو نقشہ میرے بتائے ہوئے وقت سے جتنا مخالف ہو یقین جانئے کہ وہ اتنا ہی غلط ہے اگرچہ کسی کا بنایا ہوا ہو، دو نقشے اگر صحیح باقاعدہ دیئے ہوں تو صرف اس قدر فرق کرسکتے ہیں کہ احتیاطی منٹ کسی نے دو ایک کم رکھے کسی نے زائد، یا ایک منٹ کی تحتانی کسروں میں کسی نے زیادہ تعمق کیا کسی نے بے ضرورت سمجھ کر مسامحت سے کام لیا و بس۔ اب آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ

ان مولوی صاحب کے نقشے میں کتنا فرق ہے، شاہجہان پور، بریلی، بدایوں، پیلی بھیت، دہلی، رامپور، لکھنو، مرادآباد کے وقت یہاں اور شاہجہان پور والے دونوں نقشوں میں دئے ہیں ان میں ہر شہر کے لیے سحری کے اوقات میں بیس بائیس منٹ تک کا فرق ہے اور دہلی کے لیے تو ۲۸ منٹ تک ہے کہ دو منٹ کم آدھا گھنٹا ہوا مگر پیلی بھیت کے لیے اللہ اعلم کس وجہ سے اس قدر ترقی واقع ہوئی کہ ابتدا میں وقت ٹھیک آیا اور آخر ماہ میں بڑھتے بڑھتے احتیاطی منٹ کا بھی اصلاً نشان نہ رہا کنارے ہی پر آ لگا بلکہ تدقیق کی جائے تو تعجب نہیں کہ کچھ حصہ صبح کا آجائے۔ بات یہ ہے کہ مولوی صاحب نے شاہجہانپور کے وقت بطورِ خود تجویز کرکے باقی شہروں کے لیے صرف اُن کا تفاوت طول جو اُن کے خیال میں تھا گھٹا بڑھا لیا حالانکہ تبدلِ اوقات میں بڑا حصہ تفاوت عرض کا ہے دو شہروں میں تفاوت طول اصلاً نہ ہو صرف اختلاف عرض سے طلوع وغروب وصبح وعشا میں گھنٹوں کا فرق پڑ جاتا ہے شاہجہان پور و پیلی بھیت میں اکیس منٹ کا تفاوت کسی طرح نہیں بنتا، یہی حال کلکتے کا ہے کہ اخیر کی تاریخوں میں کچھ ہی خفیف نام احتیاط کا رہ گیا ہے دو سال ہوئے کہ خاص کلکتے کے اوقات یہاں سے شائع ہوئے تھے ۱۲ نومبر سے ۲۸ تک تاریخیں اس سال بھی پڑی ہیں ان سے ملا کر دیکھ سکتے ہیں پرچہ مرسل ہے افطار کے اوقات میں اتنا زیادہ تفاوت نہیں مگر اس کا تھوڑا بھی بہت ہے، مثلاً شاہجہانپور میں احتیاطی منٹ گھٹتے گھٹتے آخر میں صرف ایک ہی رہ گیا مگر دہلی پر آفت پوری ہے اول سے آخر تک غروب سے پہلے افطار لکھا ہے خصوصاً آخر میں تو پانچ منٹ پیش از غروب افطار ہوتی ہے۔ شاہجہانپور میں جس نے ۴ بج کر ۴ منٹ تک سحری کھائی اس کا روزہ یقیناً صحیح ہوا، وہ عورت روزہ توڑنے سے سخت گنہ گار ہوئی اس کا روزہ نہ ہونے کا حکم محض غلط تھا۔ ابوداؤد، دارمی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ[1]۔ جس نے بے علم فتوٰی دیا اس کا وبال فتوٰی دینے والے پر ہے۔ (ت)

اگر گھڑی صحیح تھی تو یقیناً پاؤ گھنٹے سے زیادہ وقت باقی تھا۔ مسلمانو! یہ دین ہے جس پر خدا کی دین ہے وُہ جانتا ہے کہ اس کا سیکھنا مجھ پر دین ہے قواعد و براہین ہیأت و ہندسہ بالائے طاق سہی، وقت پہچاننا تو ہر مسلمان پر فرض عین ہے، افسوس کہ ہزاروں آدمی حتی کہ بہت ذی علم بھی صبح صادق و کاذب کی ٹھیک تمیز دیکھ کر نہیں بتا سکتے اور اس پر کتب ہیئت وغیرہ کی پریشان بیانیوں نے انھیں اور دھوکے میں ڈالا ہے، سچ

---

[1] سنن ابی داؤد باب التوقی فی الفتیا ای الفتوی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹

سچ فرمایا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی نے کہ ابتداء میں انسان کو ان دونوں صبح میں امتیاز مشکل ہوتا ہے بکثرت بار بار بغور مشاہدہ کرتا رہے تو بعنایت الٰہی دونوں صبحیں خوب نگاہ میں بچ جاتی ہیں کہ بہ نگاہِ اولیں دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ابھی صبح صادق ہوئی یا نہ ہوئی، یہاں متعدد وجوہ سے لوگ اشتباہ میں ہیں اُن کا بیان کر دینا ضرور ہے کہ مسلمان سمجھ لیں اور اغلاط سے بچیں۔

فاقول وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) **اولاً** صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل یعنی لمبی اور صادق کو مستطیر پھیلی ہوئی فرمایا ہے، ناواقف گمان کرتے ہیں کہ صبح کاذب کوئی ڈورے کی مثل باریک سفیدی ہے اور جہاں ذرا چوڑی سفیدی ہوئی تو صبح صادق ہو گئی یہ محض غلط وہم ہے رات کی چھائی ہوئی اندھیری میں باریک ڈورا کیا نظر آسکتا صبح کاذب بھی ضرور عرض رکھتی ہے اور نگاہ میں دو تین گز بلکہ اس سے زیادہ تک چوڑی ہوتی ہے بلکہ حدیث کی مراد وہ ہے جو خود حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دستِ اقدس کے اشارے سے تعلیم فرمائی کہ شرقاً غرباً جو سفیدی پھیلی ہوتی ہے وُہ صبح کاذب ہے اور دونوں دست مبارک کی کلمے کی انگلیاں ملا کر ہاتھ پھیلائے یعنی جنوباً شمالاً افق میں پھیلنے والی سپیدی پھیلی صبح صادق ہے۔

ثانیاً بعض کتب میں صبح کاذب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی کہ یعقبہ ظلمۃ فالافق یکذبہ یعنی اس کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے، یہ سپیدی تو کہہ رہی ہے صبح ہو گئی، افق اس کی تکذیب کرتی ہے لہٰذا اسے صبح کاذب کہتے ہیں۔ اس کے معنٰے علمائے زمانہ قریب نے یہ سمجھ لیے کہ صبح کاذب کی سپیدی جاکر اُس کے بعد اندھیرا ہو جاتا ہے پھر صبح صادق نکلتی ہے حالانکہ یہ محض باطل ہے، صبح کاذب کی سپیدی جہاں شروع ہوتی ہے وُہ اخیر تک بڑھتی ہی جاتی ہے ہرگز غروبِ آفتاب تک وہاں تاریکی نہیں آتی بلکہ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ صبح کاذب کی سپیدی افق سے بہت اونچی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے عقب میں اس کے پیچھے یعنی افق میں اس کے نیچے بالکل اندھیرا ہوتا ہے، جب صبح صادق پھیلتی ہے یہ تاریکی بھی روشنی سے بدل جاتی ہے۔

ثالثاً بعض کتب ہیئت اور ان کے اتباع سے بعض کتب فقہ مثل ردالمحتار میں لکھ دیا کہ جب آفتاب افق سے ۱۸ درجے نیچے رہتا ہے اس وقت صبح صادق ہوتی ہے، اور صبح کاذب اس سے صرف تین درجے پہلے، یعنی ۲۱ درجے کے انحطاط پر ہوتی ہے مگر ہزاروں بار کا مشاہدہ شاہد ہے کہ یہ بھی محض غلط ہے بلکہ جب آفتاب کا انحطاط قریب ۱۸ درجے کے رہ جاتا ہے اس وقت یقیناً صبح صادق ہو جاتی ہے، صبح کاذب اس سے بہت درجوں پہلے ہو چکتی ہے۔ میں نے آج ہی رات کہ شب ہشتم ماہ مبارک ہے بچشم خود معائنہ کیا کہ آفتاب ہنوز تینتیس درجے سے زیادہ افق سے نیچا تھا کہ صبح کاذب اپنی جھلک دکھا رہی تھی، صبح صادق ہونے کو ایک گھنٹے کامل سے بھی زیادہ وقت باقی تھا۔

ع یعنی سعد اللہ صاحب رام پوری ۱۲

رابعاً عوام صبح کا طلوع ہونا سُنتے ہیں تو اپنے زعم میں یہ گمان کرتے ہیں کہ افق یعنی زمین کے کنارہ سے یہ سپیدی اُٹھتی ہوئی جب بلندی پر آتی ہے تو ہمیں مکانوں میں یا چھت پر دکھائی دیتی ہے جیسے آفتاب وغیرہ ستارے کہ شہر میں اپنے طلوع سے دیر کے بعد نظر آتے ہیں اس بنا پر وہ صبح ہوتی دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بہت پہلے ہو چکی ہے جب تو اتنی بلندی آگئی ہے حالانکہ یہ بھی ان کا محض وہم ہے بلکہ یہ سفیدی افق سے بہت اونچی ہی ہماری نظروں میں پیدا ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ آدمی جنگل بلکہ سمندر میں ہو کہ نگاہ کے سامنے درخت، غبار، ابر وغیرہ کوئی شے اصلاً حائل نہ ہو تو وہاں بھی یہ بیاض افق سے بہت اوپر ہی حادث ہو گی اور اس کے نیچے تمام کنارۂ آسمان تاریک ہوگا، اسی کو تو یعقبہ ظلمۃ (اس عقب میں ظلمت ہوتی ہے) کہا گیا، اپنی ہی سمجھ کے قابل یوں سمجھیں کہ نظر واقع ضرور ہے کہ آفتاب کی کرنیں پہلے اُس حصّے میں سپیدی لاتی ہوں گی جو کنارۂ زمین کے متصل ہے مگر وہ نہ کبھی محسوس ہوئی نہ ہو، افق میں بخارات کا ازدحام اور خطوط نظر کا صد ہا میل بخار وغیرہ کثافات کو طے کر کے اُفق تک جانا، آفتاب کی دھوپ جیسی روشن چیز کو کتنا میلا کر کے دکھاتا ہے کہ سپیدی کی جگہ سرخی معلوم ہوتی ہے اور تیزی نام کو نہیں ہوتی پھر یہ خفیف ضعیف سپیدی کیا اس قابل ہے کہ افق میں نظر آسکے جو صاف بھی کم ہے اور نظر سے دُور بھی بہت ہے یہ تو ہمیشہ اوپر ہی چمکے گی جہاں نظر سے قُرب بھی ہے اور جگہ بہ نسبت افق صاف تر ہے۔

خامساً بعض کتب میں واقع ہُوا کہ صبح رات کا ساتواں حصّہ ہے، اسے لوگ ہر موسم میں وہر مقام کے لیے عام سمجھ لیے، حالانکہ جن عالم نے ایسا فرمایا وہ اُس موسم اور اُس عرض بلد کے لیے خاص تھا ورنہ یقیناً صبح ہمارے بلاد میں رات کے چھٹے حصّے سے دسویں حصّے تک ہوتی ہے جس کی مفصل جدول فقیر نے اپنے فتاوٰی میں لکھی ہے اس ماہِ مبارک میں بھی صبح رات کے نویں حصّے سے دسویں حصّے تک ہے، جو لوگ ساتواں حصہ لگائیں گے وُہ آپ ہی رات کو دن بنائیں گے، اب ہم بتوفیق اللہ تعالٰی صبح کاذب کے شروع سے صبح صادق کے انتشار تک جو صُورتیں اس سپیدی کی پیش آتی ہیں اُن کا واضح بیان کرتے ہیں جو آج تک کسی کتاب میں نہ لکھا گیا جو ہمارا برسوں کا مشاہدہ ہے اور جسے بغور سمجھ لینے والا ان شاء اللہ تعالٰی بہت جلد صبح کاذب وصادق میں امتیاز کا ملکہ پیدا کر سکتا ہے:

(۱) اُفق سے کئی نیزے بلندی پر جانب مشرق آج جہاں سے آفتاب نکلنے کو ہو اس کی سیدھ میں یعنی دائرہ منطقۃ البروج کی سطح کرۂ بخار پر رات کی اندھیری میں ایک خفیف سپیدی کا دھبہ پیدا ہوتا ہے جسے چاروں طرف سے رات کی اندھیری گھیرے ہوئے ہے اس انداز پر ▬ یہ صبح کاذب کی بنیاد پڑتی ہے۔

(۲) جُوں جوں آفتاب افق کے نزدیک آتا جاتا ہے یہ سپیدی ترقی کرتی ہے مگر ترقی معکوس یعنی اوپر سے

نیچے کو بڑھتی جاتی ہے، پہلے افق سے بہت اُونچی جھکی تھی اور نیچے دُور تک اندھیرا تھا اب وُہ اونچی سپیدی تو اپنی جگہ رہتی ہے اور اس کے نیچے سپیدی اور اس میں ملتی جاتی ہے یہاں تک کہ شدہ شدہ افق کے قریب تک آنے کو ہوتی ہے مگر ان سب حالتوں میں وُہ ایک طولانی ستون کی حالت میں ہوتی ہے گویا ایک سفید چادر اوپر سے نیچے لٹکائی گئی ہے کہ اسی کی حد تک سپیدی ہے اور آس پاس بالکل اندھیرا ان شکلوں پر

۴ ۳ ۲

(۳) ان تمام اشکال کے بعد اس عمود کے حصّہ زیریں کے دونوں پہلوؤں پر نہایت تھوڑی دُور تک ایک خفیف بھورا پن خاکستری رنگ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی تمیز میں آتا ہے اور معًا نگاہ کے نیچے سے نکل جاتا ہے اس طرز پر اب یہ وہ وقت کہ صبح صادق اپنے رُخِ روشن سے نقاب اُٹھایا چاہتی ہے مگر ہنوز صبح نہیں کہ اُس کے لیے تبیّن شرط ہے اور یہ متبیّن نہیں،

قال اللہ تعالٰی حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر[1]

اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہوجائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پَو پھٹ کر۔ (ت)

ان تمام حالتوں تک صبح کاذب ہی ہے اور نمازِ عشاء اور سحری کھانے کا وقت بالاتفاق باقی ہے۔

(۴) اس کے بعد وہ دونوں پہلو سپید ہوجاتے ہیں اگرچہ ان کی سپیدی مائل بہ تیرگی ہوتی ہے اور جنوبًا شمالاً اس کا عرض بہت خفیف ہوتا ہے، اس وضع پر یہ ابتدائے صبح ہے اور اس وقت میں ہمارے مشائخ کرام کو اختلاف ہے، بعض نے اُسے صبح قرار دیا اور یہی احوط ہے، اور بعض نے بلحاظ شرط استطارہ وانتشار اسے بھی صبح کاذب کے حکم میں رکھا اور یہی اوسع ہے۔ ان جمیع حالتوں میں عمود کے تمام بالائی حصے کے آس پاس نری سیاہی ہوتی ہے۔

(۵) اس کے بعد دونوں پہلوؤں کی یہ سپیدی آنًا فانًا جنوبًا شمالاً پھیلنا شروع ہوتی ہے اور ایک خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔ اس طور پر یہ یقینی اجماعی صبح صادق ہے اور ہنوز وہ عمود بدستور باقی، اور اس کے تین طرف سیاہی ہوتی ہے مگر یہ سچی سپیدی جیسی جیسی جنوب شمال میں پھیلتی ہے ساتھ ہی نیچے سے اوپر چڑھتی جاتی ہے برعکس سپیدی کاذب کے کہ اوپر سے نیچے بڑھتی آتی تھی یہاں تک کہ اب وُہ عمود سپید رفتہ رفتہ اس منتشر سپیدی میں گم ہوتے ہوتے فنا ہوجاتا ہے یعنی اُس کے اطراف کی

---

[1] القرآن ۲/ ۱۸۷

سا ری سیاہی کو سپیدی گھیر لیتی ہے اور اب اس عمود کی صورت متمیز نہیں رہتی ان صورتوں پر

مثال ۵ ۔ ۲ مثال ۵ ۔ ۳ مثال ۵

(۶) اب یہ سپیدی جس طرح آسمان پر بڑھی زمین کی جانب بھی متوجہ ہوتی اور صحن و بام کو روشن کر دیتی ہے یہ وقت اسفار ہے کہ نماز صبح کا مستحب وقت ہے اور اس سے پہلے اندھیرے میں پڑھنی خلاف مستحب ۔

(۷) جب آفتاب اور زیادہ قریب افق آتا ہے یہ سپیدی سُرخی لاتی ہے پھر سنہرا پن پھر چمکدار سپیدی اُس کے متصل طلوعِ آفتاب ہے ۔ پانچویں شکل جو اجماعی صبح ہے اسے جانے دیجئے ، تو چوتھی شکل بھی اس رمضان مبارک اور اس سے پہلے کے متعدد رمضانوں میں بریلی و شاہجہانپور میں تیسری شب کی صبح اُن گھڑیوں سے بھی جو پارسال تک حال کی گھڑیوں سے تو منٹ کم تھیں کبھی کسی دن ٹھیک پانچ بجے بھی نہ ہوتی اور اخیر تاریخوں میں جو چاہے آزما کر دیکھ لے ، سوا پانچ بجے تک بھی ہرگز نہ ہوگی تو چار بج کر ۴۰ منٹ پر روزہ نہ ہونے کا حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ، تمیز کے لیے ایک اور پہچان گزارش کروں آسمان پر چند کواکب سے ایک شکل حرف کاف بنتی ہے اس وضع پر ⁖ ..... یہ کاف آج کل پچھلی رات کو طالع ہوتا ہے اس سے ایک نیزے کے فاصلے پر ان دنوں بڑا روشن ستارہ زہرہ ہے بریلی میں صبح کاذب کا عمود آج کل اس کاف کے الف یعنی حصہ وسطانی کے گرد ہوتا ہے اور زہرہ تک پھیلتا ہے پھر زہرہ کے دونوں پہلوؤں سے جنوب و شمال کو صبح صادق تجلی کرتی ہے اس شکل پر ،

شاہجہانپور میں بھی حالت اسی کے قریب قریب ہوگی ۔

زہرہ

اوقات کے متعلق بیان سے فراغ ہوا ۔

رہے مسائل مذکورہ اشتہار ، ان میں بھی سخت اغلاط بشدت ہیں ، مثلاً :

اول ہلال رمضان بحال ابر و غبار ایک ثقہ کی گواہی شرط کرنی اس مذہب معتمد و ظاہر الروایۃ مصححہ کے خلاف ہے کہ اجلہ ائمہ مثل امام شمس الائمہ حلوانی و امام برہان الدین فرغانی و امام بزازی وغیرہم نے جس کی تصحیح فرمائی اور نظر بحال زمانہ اس پر اعتماد واجب ہے کہ یہاں شہادت مستور بھی مقبول ہے یعنی جس کا فسق معلوم نہیں اور اس کا ظاہر حال صلاح ہے محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمائی کہ ہلال رمضان میں ثقہ و غیر ثقہ دونوں کی شہادت مقبول ہے غیر ثقہ سے وہی مستور مراد جس کی عدالت باطنی مجہول ہے آج کل ثقہ کی کمیابی ظاہر ہے تو اس ظاہر الروایۃ
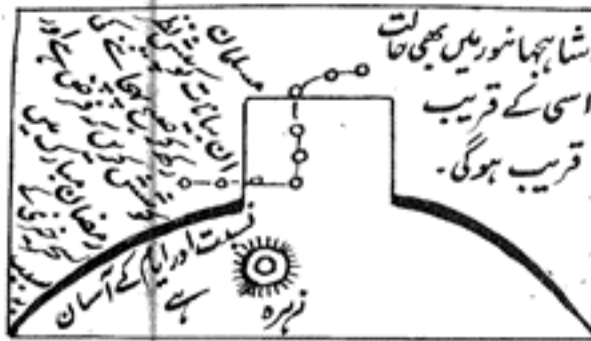
مصحح بالتصریح سے عدول صریح جہل نامقبول، کافی امام حاکم شہید میں ہے:

تقبل شہادۃ المسلم والمسلمۃ عدلا کان الشاھد اوغیر عدل[1]

مسلمان مرد اور عورت کی شہادت مقبول ہوگی خواہ شاہد عادل ہو یا نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے، صححہ البزازی (اس کو بزازی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ت) فتح القدیر میں ہے:

وبہ اخذ الحلوانی[3] (اسے حلوانی نے اختیار کیا ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

وکذا صححہ فی المعراج والتجنیس و مشی علیہ فی نور الایضاح وانہ ظاھر الروایۃ ایضا فالحاکم الشہید فی الکافی جمع کلام محمد فی کتبہ التی ھی ظاھر الروایۃ والمراد بغیر العدل المستور[4] ملخصاً

معراج اور تجنیس میں اسے صحیح کہا، نور الایضاح نے بھی اسی کو اختیار کیا، اور ظاہر روایت بھی یہی ہے تو حاکم شہید نے الکافی میں امام محمد کا وہ کلام جمع کیا ہے جو ان کی کتب میں مذکور ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے اور غیر عادل سے مراد مستور الحال ہونا ہے (ت)

دوم قبول شہادت کے لیے مطابقت قواعد شرعیہ کے ساتھ مطابقت قواعد عقلیہ کی قید بڑھانی بھی خلاف مذہب معتمد ہے، رؤیت ہلال میں جس قدر عقلی بات کو شرع مطہر نے بھی قبول فرمائی ہے مثلاً اٹھائیس کو چاند نہیں ہوسکتا اُتنی تو قواعد شرعیہ میں آگئی اس سے زائد جو قواعد اہل ہیئت نے دربارۂ ہلال اپنے ظنون و تخمینات سے گھڑے ہیں شرع نے اصلاً اُن کی طرف التفات نہ فرمایا اور صراحۃً ارشاد فرمایا:

انا امۃ امیۃ لانکتب ولانحسب الشھر ھکذا وھکذا وھکذا[5] الحدیث

ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ ہی حساب جانتے ہیں مہینہ اس طرح اس طرح، اس طرح ہے، الحدیث۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاعبرۃ بقول الموقتین ولو عدولا

مذہب کے مطابق نجومیوں کا قول مقبول نہیں اگرچہ

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الکافی للحاکم کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۹-۹۸

[2] درمختار 〃 مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

[3] فتح القدیر 〃 نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵۰

[4] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۹-۹۸

[5] سنن ابی داؤد 〃 آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۷

علی المذھب[1] | وہ عادل ہوں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولایجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ[2] | بلکہ معراج میں ہے کہ نجومیوں کا قول بالاتفاق معتبر نہیں، اور منجم کے لیے اپنے حساب پر بھی عمل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

اقول یہ شرع مطہر عالم ماکان ومایکون کے ارشادات ہیں عالم امّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ سیر نیرین ضرور اُس عزیز علیم کے حساب مقدر پر ہے ذٰلک تقدیر العزیز العلیم[3] (یہ سادھا ہے زبردست جاننے والے کا۔ ت) اور کیوں نہ معلوم ہوتا حالانکہ انھیں پر نازل ہوا کہ الشمس والقمر بحسبان[4] (سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ ت) بااین ہمہ اس عالم حقائق عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے درباب رویت ہلال حساب کو یک لخت ابطال واہمال فرمایا کہ حضور جانتے تھے کہ یہ اُن محاسبات قطعیہ سے نہیں جن کا ذکر کریمہ بحسبان میں ہے بلکہ ناقص ونامنضبط متاخرین اہل ہیئت کے تخمینات ہیں جن کا تخلف دشوار نہیں، ولہذا امام اہل ہیئت بطلیموس نے مجسطی میں باآنکہ ثوابت تک کے ظہور واختفاء کے لیے فصل جداگانہ وضع کی رویت ہلال کا اصلاً ذکر نہ کیا کہ وہ اصلاً اس کے انضباط پر قادر نہ ہوا اور متاخرین نے جو کچھ لکھا اُن شدید باہمی اختلافات کے بعد (جو مطالعہ شرح مواقف وشرح زیج سلطان وغیرہ سے ظاہر ہیں) خود بھی کوئی ضابطہ صحیحہ نہ بنا سکے ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون[5] (وہ پیچھے نہیں جاتے مگر گمان کے اور وہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ ت) کے مصداق رہے، ولہذا منجمین کے ان حسابات میں اکثر خطا پڑی ہے ابھی چند سال کا ذکر ہے کہ رمضان مبارک جنتریوں میں بلااشتباہ ۳۰ روز کا لکھا تھا اور یہاں سے نقشۂ سحری وافطار میں ۲۹ دن کا مہینہ شائع ہوا بفضلہ تعالٰی ایسی صاف عام رویت ۲۹ کی ہوئی جس میں اصلاً اختلاف نہ ہوا، مخالفین میں سے ایک صاحب نے بعض خاص احباب سے کہا میں ۲۹ کو نقشہ باتھ میں لیے منتظر رہا

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۸
[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۰
[3] القرآن ۶/۹۶
[4] القرآن ۵۵/۵
[5] القرآن ۱۰/۶۶

کہ آج رؤیت نہ ہو اور فوراً نقشہ لے کر پہنچوں کہ ۲۹ کا مہینہ کب ہوا حالانکہ یہ اُن کی خام خیالی تھی، یہاں نقشوں میں تصریح کردی جاتی ہے کہ بربنائے قواعد علم ہیئت ہے، شرع مطہر میں رؤیت پر مدار ہے، اگر رؤیت اس کے خلاف ہو نقشہ پر لحاظ نہ ہوگا، بالجملہ ایسے قواعد عقلیہ کیا قابلِ لحاظ ہوسکتے ہیں جن کے سبب ثقہ عادل کی شہادتِ شرعیہ رد کی جائے۔

وبہ ظھر الجواب عما ذکرھھنا الامام السبکی الشافعی ان الشھادۃ ظنیۃ والحساب قطعی فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ظن انہ کسائر حسابات الھیئۃ من الطلوع والغروب والتحویل والتقویم والخسوف ولیس کذلک بل ھو مثل حساب وقت الکسوف بدایۃ ونہایۃ بل ادون رتبۃ فانہ یتم بعد تکرار الاعمال الطوال مرۃ بعد اخری بخلاف ھذا ومن جرب تجربتی عرف معرفتی لاجرم ردہ کل من جاء بعدہ من محققی الشافعیۃ ایضا وحققوا ان العبرۃ بالشھادۃ الشرعیۃ وان خالفت تلک القواعد العقلیۃ کما فصلہ فی ردالمحتار۔

اس سے امام سبکی شافعی کی گفتگو کا جواب بھی آگیا کہ شہادت ظنی ہے اور حساب قطعی، کیونکہ انھوں نے اسے باقی حسابات مثلاً طلوع، غروب، تحویل، تقویم اور خسوف کی حالت پر قیاس کیا ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو ابتداء و انتہا کے اعتبار سے کسوف بلکہ رتبہ کے اعتبار سے اس سے بھی کم درجہ پر ہے کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے تکرارِ عمل سے تام ہوجاتا ہے بخلاف مذکورہ کے، جو بھی مجھ جیسا تجربہ کرے گا اسے ہماری طرح ہی معرفت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد آنے والے محقق شوافع نے بھی ان کا رد کیا ہے اور یہی ثابت کیا کہ اعتبار شہادت شرعیہ کا ہے اگرچہ وہ قواعدِ عقلیہ کے مخالف ہو، جیسا کہ اس کی تفصیل ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

سوم رمضان مبارک میں بحالِ صفائی مطلع ایک ثقہ کی گواہی مطلقاً رد کردینا مذہب منقح کے خلاف ہے بلکہ وہ بتصریح محررِ مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس حالت سے مقید ہے جبکہ اس اکیلے کا رؤیت سے تفرد خلاف ظاہر ہو ورنہ اگر بیرونِ شہر سے آیا اور اہلِ شہر نے نہ دیکھا یا یہ بلندی پر تھا اور لوگ زمین پر، یا لوگوں نے تلاشِ ہلال میں کوشش نہ کی تو صفائے مطلع میں بھی ایک کی شہادت ظاہر الروایۃ صحیحہ معتمدہ منقحہ پر مقبول ہے۔

درمختار میں ہے:

صحح فی الاقضیۃ الاکتفاء بواحد ان جاء بخارج البلد اوکان علی

کتاب الاقضیہ میں اس بات کی تصحیح ہے کہ ایک گواہ پر اکتفاء درست ہے جبکہ وہ بیرونِ شہر سے

37 مکان مرتفع واختارہ ظہیر الدین[1]۔

آیا ہو یا وُہ کسی بلند جگہ پر ہو، اور ظہیر الدین نے اسی کو مختار کہا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

واعتمدہ فی الفتاوی الصغری ایضا وھو قول الطحاوی واشار الیه الامام محمد فی کتاب الاستحسان من الاصل قال فی النہایة اذاجاء من خارج المصر اوکان فی موضع مرتفع فانه یقبل عندنا اھ فقوله عندنا یدل علی انه قول ائمتنا الثلثة رضی اللہ تعالی عنهم وقد جزم به فی المحیط وعبرعن مقابله بقیل ففیه التصریح بانه ظاہر الروایة وھو کذلك ویظھرلی ان لامنافاة بینهمالان روایة اشتراط الجمع العظیم محمولة علی ما اذا کان الشاھد من المصر فی مکان غیر مرتفع فتکون الروایة الثانیة مقیدة لاطلاق الروایة الاولی اھ باختصار[2]۔

فتاوٰی صغرٰی میں بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور یہی امام طحاوی کا قول ہے امام محمد نے اصل کی کتاب الاستحسان میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: نہایہ میں ہے جب گواہ بیرونِ شہر سے آیا ہو وہ کسی بلند جگہ پر ہو تو ہمارے نزدیک اس کی گواہی مقبول ہوگی اھ نہایہ کا عندنا یہ واضح کر رہا ہے کہ یہ تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول ہے۔ محیط میں اس پر جزم ہے اور اس کے مقابل قول کو "قیل" سے ذکر کیا اور اس میں تصریح ہے کہ یہ ظاہر الروایت ہے، اور وُہ اسی طرح ہے، میرے نزدیک ان روایات میں کوئی منافات نہیں کیونکہ یہ روایت کہ جمِ عظیم کا ہونا ضروری ہے، یہ اس صورت پر محمول ہے جب گواہ شہری بلند جگہ والا نہ ہو، تو اب دوسری روایت پہلی مطلق روایت کے لیے مقید بن جائے گی اھ اختصاراً (ت)

یہاں تین[3] روایتیں ہیں اور تینوں مصحح، اور تینوں ظاہر الروایۃ ہیں، اور فقیر نے اپنی تعلیقات حاشیہ حاشیہ شامی میں بیان کیا ہے کہ وُہ سب اپنے محامل پر مقبولہ معمولہ ہیں، اور فقہ میں بڑا کام یہی قول منقح کا ادراک ہے وباللہ التوفیق۔

چہارم جب رمضان دوٗ عادلوں کی شہادت سے ثابت ہُوا ہو اور ۳۰ روزوں کے بعد اکتیسویں شب

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸
[2] ردالمحتار " مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۱

37/7

باوصف صفائے مطلع ہلال نظر نہ آئے تو علماء کو اختلافِ شدید ہے ایسی نادر صورت کے ذکر کی اشتہار میں حاجت نہ تھی اور ذکر ہوا تو مذہب مفتی بہ کا اتباع ضرور تھا اور یہاں مفتی بہ یہی ہے جس کے ضعف کی طرف اشتہار میں اشعار کیا یعنی عید کرلی جائے اگرچہ چاند نظر نہ آئے، بلکہ علامہ نوح نے فرمایا کہ یہی مذہب ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے، اور دوسرا قول کہ ۳۱ روزے رکھے جائیں صرف بعض مشائخ کا ہے تو اس تقدیر پر تو وہ اصلاً قابلِ لحاظ نہ رہا۔ تنویر الابصار میں ہے:

بعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر[1]

تیس روزوں کے بعد دو عادل گواہوں کی شہادت پر عید الفطر جائز ہوتی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای اتفاقا ان کانت لیلۃ حادی والثلثین متغیمۃ وکذا لومصحیۃ علی ما صحح فی الدرایۃ والخلاصۃ والبزازیۃ[2]۔

یعنی یہ جواز بالاتفاق ہے جب اکتیسویں رات مطلع ابر آلود ہو اور درایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق اگر مطلع ابر آلود نہ بھی ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ونقل العلامۃ نوح الاتفاق علی حل الفطر فی الثانیۃ ایضا عن البدائع والسراج والجوھرۃ قال والمراد اتفاق ائمتنا الثلثۃ وما حکی فیھا من الخلاف انما ھو لبعض المشائخ، قلت وفی الفیض الفتوی علی حل الفطر[3]

علامہ نوح نے بدائع، سراج اور جوہرہ سے نقل کیا کہ دوسری صورت (جب اکتیسویں رات مطلع ابر آلود نہ ہو) میں بھی جواز عید الفطر پر بھی اتفاق ہے، اور پھر کہا یہاں اتفاق سے مراد ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے اور اس میں جو اختلاف منقول ہے وہ بعض مشائخ کا ہے۔ میں کہتا ہوں فیض میں ہے فتوٰی جواز فطر پر ہے (ت)

مذہب مفتی بہ بلکہ اپنے تمام ائمہ کے مذہب صحیح و معتمد کو ضعیف بتانا اور اُن کے مقابل بعض مشائخ کے قول

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲

[3] 〃 〃 〃 〃

(ہرورنہ)

پر اعتماد کرنا بحکم درمختار و تصحیح القدوری وغیرہما جہل و خرق اجماع ہے۔

پنجم: ۳۰ شعبان کو مطلع صاف ہونے کے ساتھ یوم شک کی تخصیص محض باطل ہے بلکہ مطلع صاف نہ ہو تو ۲۹ شعبان کے بعد کا دن بالاتفاق یوم الشک ہے اور بہ نیتِ رمضان اس کا روزہ رکھنا ممنوع، اختلاف اگر ہے تو اس میں ہے کہ بحالِ صفائے مطلع بھی ۳۰ شعبان یوم الشک ہے یا نہیں، معراج الدرایہ شرح ہدایہ و مجتبیٰ شرح قدوری و جامع الرموز شرح نقایہ میں تصریح کی کہ وہ اصلاً یوم الشک نہیں، اور درمختار میں بحوالہ شرح مجمع العینی زاہدی سے نقل کیا کہ یہ بربنائے عدم اعتبار اختلاف مطالع وہ بھی یوم الشک ہے کہ شاید کہیں اور رؤیت ہوئی ہو، ردالمحتار میں ہے:

القهستاني قيده بما اذا غم فلو مصحية ولم يرا حد فليس بيوم شك اهـ و مثله في المعراج عن المجتبى[1]۔

قہستانی نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید کیا جب مطلع ابر آلود ہو، اگر مطلع ابر آلود نہ ہو اور کسی نے چاند بھی نہ دیکھا ہو تو یہ یوم شک نہ ہوگا اھ معراج میں مجتبیٰ کے حوالے سے اسی طرح منقول ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

هو يوم الثلثين من شعبان وان لم يكن علة اي على القول لعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤية في بلدة اخرى شرح المجمع للعيني عن الزاهدي[2]۔

یوم شک شعبان کا تیسواں دن ہوگا اگرچہ علت نہ ہو (یعنی مطلع صاف ہو) یعنی اس قول پر جس میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیونکہ کسی دوسرے شہر میں رؤیت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ یہ امام عینی کی شرح المجمع میں زاہدی کے حوالے سے منقول ہے۔ (ت)

اقول تو کلام زاہدی مضطرب ہوا اور کلام معراج معارض سے سالم رہا اور اُسی کے مثل تبیین الحقائق وغیرہ معتمدات میں ہے اور وہی اظہر و ازہر ہے کہ شک استوائے طرفین کی حالت ہے۔ یہی بحرالرائق میں ہے:

هو استواء طرفي الادراك من النفي و الاثبات[3]۔

نفی و اثبات کے ادراک کی دونوں اطراف کے برابر ہونے میں شک ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۹۵

[2] درمختار " مجتبائی دہلی ۱/۱۴۷

[3] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۴۶

اور جبکہ مطلع صاف ہو اور چاند اصلاً نظر نہ آئے تو صرف اس احتمال بعید پر کہ شاید کہیں اور سے رؤیت کا ثبوت آجائے شک متحقق ہونا کس درجہ بعید ہے۔

فان مجرد الرؤیۃ فی بلدۃ اخری لایلزمنا مالم تثبت بطریق شرعی وھو احتمال لاعن دلیل فلا یعارض الظن الحاصل من استقراء الحس الصحیح فی المرای الصریح فافھم۔

محض دوسرے شہر میں دیکھ لینا ہمارے لیے لزوم کو کافی نہیں جب تک طریق شرعی سے اس کا ثبوت نہ ہو، یہ تو بغیر دلیل محض احتمال ہے، اب یہ اس ظن کے مقابل و معارض کیسے ہوسکتا ہے جو حس صحیحہ سے رؤیت صحیحہ میں حاصل ہوتا ہے غور کرو (ت)

ششم یہ کہنا کہ جو لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے اُن کے قول پر روزہ شک کا جائز ہونا چاہیے سخت عجیب، اور دونوں قول سے مخالف وغیر مصیب ہے۔ ۳۰ شعبان کو جب رؤیت نہ ہو تو اس میں ہرگز اختلافِ قولین نہیں کہ اُس دن روزہ رمضان رکھنا گناہ ہے، اختلافِ علت حکم میں ہے، جو بحال صفائے مطلع اُسے یوم الشک نہ قرار دیں، اُن کے نزدیک اس لیے کہ لاتقدموا رمضان بصوم یوم ولا یومین (رمضان سے پہلے ایک یا دو دن روزہ نہ رکھو۔ ت)، خود اشتہار میں درمختار سے نقل کیا:

اما علی مقابلہ فلیس بشك ولا یصام اصلاً[1]

اس کے مخالف قول پر یوم شک نہیں تو اب ہرگز روزہ نہ رکھا جائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولا یجوز صومہ ابتداء لافرضا ولا نفلا[2]

رمضان سے پہلے نہ فرضی روزہ رکھا جائے اور نہ نفلی (ت)

اُسی میں ہے:

لانہ لا احتیاط فی صومہ للخواص بخلاف یوم الشك[3]

اس لیے کہ اس روزہ کے رکھنے میں خواص کے لیے کچھ احتیاط نہیں بخلاف یوم شک کے۔ (ت)

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۷
[2] ردالمحتار | ؍؍ | مصطفی البابی مصر | ۲/۹۵
[3] ؍؍ | ؍؍ | ؍؍ | ۲/۹۶-۹۵

اور جو اس حال میں بھی یوم الشک کہیں ان کے نزدیک اس لیے کہ:

من صام یوم الشك فقد عصی ابا القاسم صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم[1]۔

جس نے یوم شک کا روزہ رکھا اس نے حضور ابوالقاسم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لایصام یوم الشك هو یوم الثلثین من شعبان وان لم یکن علة الا تطوعا ویکرہ غیرہ[2]۔ (ملخصا)

یوم شک میں روزہ نہ رکھا جائے اور یہ شعبان کا تیسواں دن ہوسکتا ہے اگرچہ کوئی علت نہ ہو، ہاں نفلی روزہ رکھا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ مکروہ ہے (ت)

ہفتم اس ایجادی اختراعی حکم کی یہ تعلیل کیونکہ بالضرور دنیا میں اُس روز چاند ہوا ہوگا" اس بالضرور پر کیا دلیل، خود ہی اشتہار میں درمختار و شرح مجمع عینی سے اتنا نقل کیا کہ:

لجواز تحقق الرؤیة فی بلدة اخری[3] (کیونکہ دوسرے شہر میں رؤیت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ ت)

نہ کہ لوجوب وقوع الرؤیة فی مکان من الدنیا (دنیا کے کسی گوشے میں رؤیت کا وقوع واجب و لازم ہے۔ ت)

ہشتم اگر ہر ۲۹ کو کہیں نہ کہیں رؤیت ہونی ضرور ہو تو عدم اعتبار اختلاف مطالع پر کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی اور اسی پر اعتماد ہے ہمیشہ رمضان ۲۹ ہی دن کا ہونا لازم ہو کہ بالضرور دنیا میں چاند ہوا ہوگا اور اختلافِ مطالع معتبر نہیں حالانکہ یہ اجماعِ اُمت و نصوصِ صریحہ کے خلاف ہے۔

نہم جب بالضرورۃ کہیں نہ کہیں رؤیت ہونی معلوم، تو ائمہ کا ارشاد کہ ثبوتِ شرعی مثل شہادت و استفاضہ شرعیہ سے دوسری جگہ رؤیت ہونی ثابت ہو تو ہم پر لازم ہوگا ورنہ نہیں کما نص علیه فی الدرالمختار وسائر الاسفار (جیسا کہ درمختار اور دیگر کتب میں اس پر تصریح ہے۔ ت) محض لغو و مہمل بلکہ غلط و باطل ہو کہ جب یقیناً دوسری جگہ وقوعِ رؤیت معلوم ہے تو یقین سے زیادہ اور کون سا ثبوت چاہیے، کیا ضروریات کے لیے بھی گواہی کی حاجت ہے افسوس کہ علماء نے طرق موجب شرعی سے

---

[1] سنن ابی داؤد باب کراہیۃ صوم یوم الشک آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۹۶-۱۵
[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۷
[3] " " " "

مقید کیا، اشتہاری فتوٰی دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ خود ہی بالضرور ثابت ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

دہم اب یہ تعلیل عجب ہوگی کہ خود مدعا کا ابطال محض کرے گی کہ جب بالضرورت رؤیت معلوم تو جو لوگ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے ان کے نزدیک یہ یوم الشک کدھر سے آیا بلکہ یقین یوم الیقین ہے اور روزہ جائز ہونا کیا معنی، بلکہ فرض ہونا چاہئے کہ یقینًا رمضان ہے، بالجملہ ہر ۲۹ کو کہیں نہ کہیں رؤیت ضروری لازم مان لینا معاذاللہ ائمہ کرام کو مخالفِ اجماعِ مسلمین و مخالفِ نصوص قاطعہ و مجانین قرار دینا ہے جس پر راضی نہ ہوگا مگر بددین یا مجنون، ہاں احتمال کہئے، پھر اگر ہوا تو یوم الشک ہوا اور یوم الشک کا روزہ جائز نہیں پھر جواز کدھر سے آیا۔

یازدہم رمضان و فطر میں اعتبار اختلاف مطالع کو قول محققین حنفیہ و محدثین مذہب و مجتہدین روایات فقہیہ قرار دینا محض غلط و تہمت ہے بلکہ اُس کا عدمِ اعتبار ہی ہمارے ائمہ کرام و مجتہدین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور اسی پر جمہور، اور یہی احوط و اقوی من حیث الدلیل، تو بوجوہِ کثیرہ اسی پر عمل واجب، اور اس سے عدول ہرگز جائز نہیں۔ تنویر الابصار و درمختار و بحرالرائق و فتاوٰی خلاصہ وغیرہ میں ہے:

اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی[1]۔ ظاہر مذہب پر اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کی یہی رائے ہے اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو المعتمد عندنا وعند المالکیۃ و الحنابلۃ[2]۔ ہمارے، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یہی معتمد ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے: الاخذ بظاھر الروایۃ احوط[3] (ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے۔ ت)

بحرالرائق میں ہے: الاحتیاط العمل باقوی الدلیلین[4] (دونوں دلیلوں سے قوی پر عمل بہتر ہے۔ ت)

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار 〃 مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

[3] فتح القدیر 〃 نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳

[4] ردالمحتار بحوالہ النہر خطبۃ کتاب مصطفی البابی مصر ۱/۵۴

عقود الدریہ میں ہے: العمل بما علیہ الاکثر[1] (عمل اس پر کیا جائے جس پر اکثر ہوں۔ ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحوا بہ ان ماخرج عن ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولا قولا لہ[2]

فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ظاہر الروایۃ سے جو خارج ہے وُہ نہ تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہوتا ہے اور نہ ہی قول (ت)

بحر میں ہے:

ماخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[3] (ملخصًا)

جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ قول مرجوع عنہ ہوتا ہے اور مرجوع عنہ آپ (امام اعظم) کا قول نہیں ہوتا۔ (ت)

شامی میں ہے:

ماخالف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا[4]

جو قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہوتا (ت)

اسی میں ہے: العمل بما علیہ الفتوٰی[5] (جس پر فتوٰی ہو اس پر عمل کیا جائے۔ ت)

تو ان تمام عظیم قولوں کے خلاف روایات متاخرین علماء کا قول فلاں کو اشتباہ کہہ دینا کیا شبہ ڈال سکتا یا کیا قابلِ التفات ہوسکتا ہے، درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[6]

قول مرجوح پر فیصلہ اور فتوٰی محض جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے (ت)

رد المحتار میں ہے:

---

[1] عقود الدریۃ — مسائل و فوائد شتّٰی من الحظر والاباحۃ — حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۲/۳۵۶
[2] فتاوٰی خیریہ — کتاب الطلاق — دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۲
[3] بحر الرائق — کتاب القضاء — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۷۰
[4] رد المحتار — کتاب احیاء الموات — داراحیاء التراث العربی، بیروت ۵/۲۷۸
[5] " — باب صدقۃ الفطر — " " ۲/۷۸
[6] درمختار — مقدمۃ کتاب — مجتبائی دہلی ۱/۱۵

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصحح او یقو وجهه واولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایۃ اذا لم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ[1] اھ۔

جیسا کہ امام محمد کا قول امام ابو یوسف کے قول کی موجودگی میں جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو یا اس کی دلیل قوی نہ ہو اور اولٰی بالبطلان ہے ظاہر الروایۃ کے مخالف پر فتوٰی دینا جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور اسی طرح قول مرجوع عنہ پر فتوٰی دینا ہے اھ (ت)

دوازدہم اقول وباللہ التوفیق ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم جس پر عرش تحقیق مستقر فرمائیں وہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے ارکان کسی کے متزلزل کیے متزلزل ہوجائیں، رؤیت ہلال میں اختلافِ مطالع معتبر ماننے والے ذرا سمجھ کر بتائیں کہ اس اعتبار سے کیا مراد، اور وہ کتنی مسافت ہے جس میں اختلافِ مطالع معتبر ہوگا:

اوّلاً اس کے قائلین اس بارے میں خود مختلف ہیں اور مختلف بھی اتنے کہ آٹھ گُنے کا فرق، جواہر و لباب وغیرہما میں اُسے ایک مہینہ کی راہ سے مقدر کیا، روزانہ بارہ کوس کی منزل معتاد کے لحاظ سے از انجا کہ میل یہاں کے کوسوں کا ⅝ ہے ۱۹⅖ میل مسافت یکروزہ ہُوئی اور مہینہ بھر کی راہ ۵۷۶ میل جس کے ۱۹۲ فرسخ ہُوئے، جواہر میں اس تحدید پر قصہ سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استدلال کیا:

غدوھا شھر ورواحھا شھر[2] فانہ قد انتقل کل غدو ورواح من اقلیم الی اقلیم وبین کل منھما مسیرۃ شھر[3]۔

اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ۔ فرمایا وہ ہر صبح و شام ایک اقلیم سے دوسرے اقلیم کی طرف تشریف لے جاتے اور ان کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہوتی۔ (ت)

یہ دلیل جیسی ہے رُو لیش ببیں حالت بپرس (اس کا چہرہ دیکھو اور اس کا حال پوچھو۔ ت) ولہذا ایقاظ الوسنان میں اسے نقل کرکے کہا:

فی دلالۃ القصۃ علی ذٰلک نظر[4] (اس مسئلہ پر واقعہ کی دلالت محلِ نظر ہے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب مطلب لایجوز العمل بالضعیف حتی لنفسہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵

[2] القرآن ۳۴/۱۲

[3] تنبیہ الغافل والوسنان عن رسائل ابن عابدین بحوالہ القہستانی عن الجواہر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۰

[4] " " " " " " " " "

ردالمحتار میں فرمایا: لایخفی ما فی ھذا الاستدلال[1] (اس استدلال میں جو نظر ہے وہ مخفی نہیں۔ت) تاج تبریزی نے کہا، بہتر میل سے کم میں اختلاف مطالع ممکن نہیں۔ علامہ رملی شافعی نے شرح منہاج میں اسی کو اختیار کیا اور اسی پر اپنے والد کا فتوٰی بتایا۔ ایقاظ الوسنان میں اسی کو اولٰی کہا، حیث قال فالاولی ای ماذکرالتاج من ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعۃ وعشرین فرسخا اولی لان الظاھر من قولہ لایمکن الخ انہ قدرہ بالقواعد الفلکیۃ ولامانع من اعتبارھا ھٰھنا کاعتبارھا فی اوقات الصلوٰۃ[2]

الفاظ یہ ہیں کہ پہلا قول کہ تاج تبریزی نے جو ذکر کیا کہ اختلاف مطالع چوبیس فرسخ سے کم میں ممکن نہیں اولٰی ہے کیونکہ یہ ان کے قول لایمکن الخ سے ظاہر یہ ہے کہ انھوں نے قواعد فلکیہ سے اندازہ لگایا ہے اور اس مقام پر ان کا اعتبار کرنے میں کوئی مانع نہیں جیسا کہ اوقاتِ نماز میں ان کا اعتبار ہے۔ (ت)

کہاں چوبیس ۲۴ کہاں ایک سو بانوے ۱۹۲، پورے آٹھ گُنے کا فرق ہے، اور ضرور ہونا تھا کہ ائمہ مجتہدین کا نورِ علم اس کے ساتھ نہیں،

ولوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا[3]

اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے (ت)

ثانیاً سب حضرات نے مطلق فرمایا کوئی تخصیص سمت وجانب کی نہ رکھی حالانکہ معظم معمورہ خصوصاً بلاد ہندوستان اور اُن کے امثالِ کثیرہ مثل خطہ مقدسہ عرب وغیرہ میں جہاں عرض میل کلی کے اندر ہے یا اُس سے بہت متفاوت نہیں، یہ اختلاف معتبر ہو تو یونہی کہ غربی شہر کی رؤیت شرقی پر حجت نہ ہو کہ ممکن کہ شرقی میں وقت غروب شمس فصل نیرین کم تھا قمر کا شعاع شمس سے انفصال قابل رؤیت ہلال نہ ہوا تھا جب حرکت فلکیہ نیرین کو بلد غربی کی افق پر لے گئی اتنی دیر میں انفصال بقدر استہلال ہوگیا مگر غربی میں شرقی کی رؤیت مطلقاً کیوں نامعتبر ہو خصوصاً جب کہ عرض متحد یا متقارب ہو کہ اضطجاع وانتصاب افق یکساں ہو، پُر ظاہر کہ جب مشرق میں بعد قابل رؤیت ہوچکا تھا تو غربی میں تو اور زیادہ فصل وظہور ہو جائے گا، اور جنوب و

---

[1] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵
[2] تنبیہ الغافل والوسنان من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۰
[3] القرآن ۴/۸۲

شمال میں ۲۴ فرسخ درکنار ۱۹۲ کا فصل بھی فاصل ہونا ضرور نہیں، فرض کیجئے آفتاب شمالی ہے اور قمر وقت استہلال عدیم المیل اور ایک شہر خطِ استواء سے ۸ درجہ شمال کو ہے کہ ایک مہینہ کی راہ سے کم فاصلہ ہوا اور دوسرا سترہ درجے کہ دو مہینے سے بھی زیادہ فصل ہُوا اس لئے کہ غایت تدقیق[عہ] کے بعد ثابت ہوا ہے کہ زمین کا ایک درجہ ۳۶۵۱۵۵ قدم ہے اور قدم $\frac{1}{3}$ گز اور میل ۱۷۶۰ گز، تو ایک درجہ ارضیہ ۶۹٫۱۲۹ میل ہوا، راہ یک ماہہ ۵۷۶ کو اس پر تقسیم کئے سے ۸٫۳۰۳۰۲۷۷ ہوتے ہیں یعنی ۵۴‴ ۱۰″ ۱۸′ ۸° ح لح ی ند اور تینوں شہر ایک ہی نصف النہار کے نیچے ہیں۔ اب فرض کیجئے کہ صورتِ مذکورہ میں خطِ استوا میں رؤیتِ ہلال ہوئی تو شہر البعد درکنار شہرِ وسطانی میں بھی رؤیت ضرور نہیں، حالانکہ یک ماہہ راہ سے کم فاصلہ ہے، اس لیے کہ خطِ استوا میں ادھر تو آفتاب جلد ڈوبے گا تو اندھیرا جلد ہوکر رؤیت کا معین ہوگا، ادھر افق منتصب ہے تو آفتاب بعد غروب جلد افق سے دُور ہوکر نورِ شفق کہ عائقِ رؤیت ہوتا جلد کم ہوجائے گا، اُدھر قمر کا ارتفاع زائد ہے تو دیر تک بالائے اُفق رہے گا اور یہ بھی مؤیدِ رؤیت ہوگا بخلاف بلد شمالی کہ وہاں سب امور بالعکس ہیں، اور اسی صورت میں فرض کیجئے کہ شہر البعد میں رؤیت ہوئی تو شہرِ وسطانی درکنار خطِ استوا میں بھی بدرجۂ اولیٰ رؤیت ہوگی کہ مؤیداتِ رؤیت وہاں بافراط ہیں حالانکہ دو ماہہ راہ سے زیادہ کا فاصلہ ہے، تو معلوم ہُوا کہ جنوباً شمالاً کبھی ایک مہینے سے بھی کم کا فاصلہ اختلافِ رؤیت لاتا ہے اور کبھی دُو مہینے سے زیادہ کا بھی فاصلہ اختلاف نہیں لاتا۔ اب یہ تقریر اس طرف لے جائے گی کہ شہروں کا باہم بُعد معتبر نہ ہو حالانکہ اختلاف مطالع ماننے والوں کی عبارات اس میں نص ہیں، نہ تفاوتِ عرض معتبر ہو نہ تفاوتِ طول شرقی بلکہ صرف تفاوت طول غربی معتبر ہو، یعنی جس کا طول غربی اس شہر سے یک ماہہ راہ یعنی ۸ درجے ۱۸ دقیقے ہو وہاں کی رؤیت

عہ اقول اور تدقیق ادق سے ۳۶۴۶۰۹ قدم اس لیے کہ زمین کا نصف قطر استوائی ۳۹۶۳٫۲۹۶ میل ہے اور نیم قطر قطبی ۳۹۴۹٫۷۹ پس نیم قطر معدل ۳۹۵۶٫۵۴۳ پھر کمال تدقیق ادق سے قطر : محیط :: ۱ : ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ لوغارثمش ۰٫۴۹۷۱۴۹۹ ولوغارثم معدل ۳٫۵۹۷۳۱۵۹ مجموعہ ۴٫۰۹۴۴۶۵۸ پھر نسبت انصاف مثل نسبت اضعاف ہے تو ۱۸۰ کے لوگارثم ۲٫۲۵۵۲۷۲۵ کو اس سے تفریق کیا بلکہ ۷٫۷۴۴۷۲۷۵ جمع کیا حاصل ۱٫۸۳۹۱۹۳۳ عددش ۶۹٫۰۵۴۷ یہ ایک درجہ محیطیہ کے میل ہوئے اور گز ۱۲۱۵۳۶ تو قدم ۳۶۴۶۰۹ بالرفع یوں بھی وہی مطلب ثابت ہے کما لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) اب حاصلِ قسمت ۸٫۳۴۱۲۱۵۸ ہوگا یعنی ۸ درجے ۲۰ دقیقے ۲۸ ثانیے ۲۳ ثالثے ۱۲ منہ غفراللہ تعالٰی لہ (م)

معتبر ہو مگر بنے گی یہ بھی نہیں کہ تفاوتِ عرض بھی قطعاً اختلافِ رؤیت لاتا ہے جس کے بعض وجوہ کی طرف ابھی اشارہ ہوچکا تو اس کا نظر سے اسقاط ناممکن، تفاوتِ عرض سے یہاں تک تو ہوگا کہ ایک شہر میں ہلال مرئی ہو اور دُوسرے شہر میں چاند اس وقت زیرِ زمین جاچکا ہو رؤیت و عدمِ رویتِ ہلال تو بالائے طاق رہی غرض یُوں بھی ٹھیک نہیں آتی اور حقیقت امر یہ ہے کہ تحدید کرنے والوں نے محض سرسری طور پر ایک حد کہہ دی تنقیح پر آئیے تو قیامت تک وُہ خود اس کی حدبست نہ کرسکیں گے۔

ثالثاً اس سب سے قطع نظر کیجئے تو اب ہمارا وُہ سوال متوجہ ہے کہ اس اعتبار اختلاف سے کیا مراد، آیا دو شہروں کا ایسا فصل کہ چاند جب ایک میں مرئی ہو تو دوسرے میں رؤیت ہمیشہ ناممکن ہو، یہ وہ اختلافِ مطالع ہے جسے معتبر مانتے ہیں یا صرف ایسا فصل کہ ایک میں رؤیت ہونے کے ساتھ دوسرے میں رؤیت نہ ہونا ممکن ہو یہ معتبر ہے، بالجملہ بنظر فاصلہ بلدین دوسرے شہر میں عدمِ امکان چاہئے یا امکانِ عدم، اوّل تو یقیناً باطل ہے دنیا میں کوئی فاصلہ ایسا نہیں کہ ایک جگہ ۲۹ کی رؤیت کو صرف نظر بفصل مسافت بے لحاظ خصوص حال ہلال حال دوسری جگہ محال کرتا ہو اختلاف معتبر ماننے والوں نے بڑی حد یک یا مہر راہ بتائی، اور انھیں بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہزارہا بار یہاں بھی ۲۹ کا چاند ہُوا اور یہاں سے مہینوں راہ کے فاصلے پر بھی ہُوا بلکہ جب یہاں ۲۹ کا ہو تو اس عرض میں غرب کو جتنا بڑھیے بدرجہ اولٰی ۲۹ ہی کا ہوگا تو بالضرورۃ ثانی ہی مقصود، اور اب بالیقین راہِ تحدید مسدود، مہینے بھر کی راہ تو بہت ہے، ۲۴ فرسخ کا فاصلہ جس پر تاج تبریزی نے ادعا کیا کہ اس سے کم میں اختلاف ممکن نہیں، اور علامہ شامی نے براہِ تحسینِ ظن فرمایا کہ اُن کا یہ دعوٰی قواعد فلکیہ پر ہی مبنی ہوگا۔

اقول ہرگز قواعد فلکیہ اس عدمِ امکان کے ساتھ مساعد نہیں بلکہ صراحۃً اس کا رد کرتے ہیں، ایک درجہ زمین یقیناً ۲۴ فرسنگ سے کم ہے کہ یہ ۶۹ میل ہے اور وہ بہتر، مگر ایک درجے بلکہ اس سے کم فصل غربی پر بھی اختلافِ رؤیت ممکن، دربارہ ہلال کہ کب صالح رؤیت ہوتا ہے اگرچہ اختلاف اقوال بکثرت ہے، اس میں دس قول تو اس وقت میرے پیشِ نظر ہیں جن کی وجہ وہی ولو کان من عند غیر اللہ (اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا۔ ت) ہے مگر متاخرین اہل ہیئت نے بعد تطاول تجارب جس پر استقرار رائے کیا وُہ یہ ہے کہ نیرین میں بُعد سواء دس درجے سے زائد ہو اور بُعد معدل ۱۰ سے کم نہ ہو۔ زیج سلطانی میں ہے:

اگر بُعد معدل میان دہ درجہ و دوازدہ درجہ باشد و بُعد سوا از دہ بیش تر باشد ہلال تواں دید باریک[1]

بُعدِ معدل اگر دس اور بارہ درجہ کے درمیان ہو اور بُعد سواء دس درجہ سے زائد ہو تو چاند ایک بار دیکھا جاسکتا ہے (ت)

---

[1] زیج سلطانی

علامہ عبدالعلی برجندی شرح میں فرماتے ہیں :

تاہر دو شرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان ابن ست[1]

جب تک یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں چاند نظر نہیں آسکتا اور اس زمانہ میں یہی متعارف ہے (ت)

اب فرض کیجئے کہ یہاں وقتِ غروب بعد سواظ لفظ یعنی دس درجے سے ایک دقیقہ کم تھا تو ہلال قابلِ رؤیت نہ تھا اور ایک درجہ حرکت وسطی ۴ دقیقہ میں ہے اور اس مدت میں سبق قمر تقریباً دو دقیقے بلکہ کبھی اس سے بھی زائد ہے تو جب قمر اس شہر سے ایک درجہ بلکہ کم فاصلے کے مقام رؤیت پر آیا بُعد دس درجے سے زائد ہوگیا اور رؤیت ہوگئی، اسی طرح ارتفاعِ قمر وغیرہ اختلاف کے ذرائع سے بھی تقریر مدعا ممکن، تو ثابت ہوا کہ ۲۴ بلکہ ۲۳ فرسخ سے کم بھی اختلاف ممکن ہے، اب کوئی راہ نہ رہی سوا اس کے کہ حد اصلاً نہ باندھئے بلکہ یا تو ہمیشہ ہر جگہ ہر ماہ کے لیے خصوص حال ہلال حال و محال استہلال پر نظر کیجئے یا مطلقاً کہہ دیجئے کہ ایک شہر کی رؤیت دوسرے کے لیے اصلاً معتبر نہیں اگرچہ ۲۴ فرسخ سے بھی کم فاصلہ ہو، ثانی تو بالاجماع مردود ہے اختلاف معتبر ماننے والے بھی ایسے عموم و اطلاق کے ہرگز قائل نہیں، اور اول کی طرف راہ نہیں، مگر انھیں حساباتِ دقیقہ طویلہ مرئی وعرض مرئی وانکسار اُفقی اختلاف منظر افقی و تعدیل الغروب و بُعد معدل وغیرہا کے ذرائع سے جن کے بعد بھی بہت اوقات سوا ظن و تخمین کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ وہی محاسبات ہیں جن کو

شریعتِ مطہرہ دربارۂ ہلال یک لخت ساقط و باطل فرماچکی، تو بحمداللہ تعالٰی نہ ہلال روشن بلکہ آفتاب پردہ برافگن کی طرح آشکارا ہُوا کہ اختلافِ مطالع معتبر ماننا ہی خلافِ تحقیق تھا اور یہ کہ وہ مؤید بحدیث نہیں بلکہ وہی حدیث مجمع علیہ کے ارشاد واجب الانقیاد سے دُور و سحیق تھا اور یہ کہ نہ صرف رمضان و شوال بلکہ کسی مہینے میں شرع مطہر اُس کی طرف اصلاً دعوت نہیں فرماتی اور یہ کہ ہمارے ائمہ کا مذہب مہذب اس اعلٰی درجہ تدقیق انیق پر ہوتا ہے کہ مدعیانِ تحقیق تک اُس کی ہوا بھی نہیں آتی ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (تحقیق یُوں ہی ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔ ت) کیا انھیں معلوم نہ تھا اختلاف مطالع ہوتا ہے ضرور معلوم تھا، مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا فتح باب اسی حساب ناقص النصاب کی طرف کھینچ کرلے جائے گا، جسے مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم رد فرما چکے ہیں، لاجرم صاف فرمادیا کہ اختلاف مطالع اصلاً معتبر نہیں ان اللہ امدہ لرؤیتہ[2] حق تعالٰی نے مدار رؤیت پر رکھا ہے، اگر رؤیت ثبوتِ شرعی سے ثابت ہے اگرچہ کتنا ہی فاصلہ ہو، اور نہیں تو نہیں اگرچہ کتنا ہی قریب ہو، اور یہیں سے ظاہر

---

[1] شرح زیج سلطانی لعبدالعلی البرجندی

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۹

ہوا کہ در بارۂ صلوات اختلافِ مطالع پر اس کا قیاس محض مع الفارق ہے حساب طلوع وغروب وصبح وشفق ومثل اول وثانی واضحاک جلیلہ ومنضبطات کلیہ ہیں بخلاف حساباتِ رؤیتِ ہلال کہ قدمائے اہلِ ہیئت نے اپنے بوتے کا روگ نہ پاکر سرے سے اس کی طرف التفات ہی نہ کیا اور متاخرین نے ہزار اضطراب واختلاف کے بعد آخر علامہ برجندی کی طرح لکھ دیا کہ "بالجملہ ضبط آں بر سبیل تحقیق متعسر ست بلکہ متعذر" (رؤیت ہلال کا تحقیقی ضابطہ انتہائی مشکل اور متعذر رہے۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ یک ماہہ راہ پر اختلافِ مطالع کو بحسبِ قواعدِ مبرہنہ علمِ ہیئت ماننا جیسا کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی سے اپنے فتاوٰی جلد اول طبع اول ص ۳۰۹ پر واقع ہوا محض قلتِ تدبر سے ناشی تھا، نیز ہماری تقریر سے ظاہر ہوا کہ اختلافِ مطالع کے یہ معنی قرار دینا کہ ایک شہر میں رؤیت ہوسکتی ہے دوسرے میں نہیں جیسا کہ انھیں سے اسی صفحہ پر واقع ہوا محض باطل ہے یہاں ہرگز امکان وامتناع کا اختلاف نہیں بلکہ وقوع وامکان عدم کا کما اوضحنا سابقا (جیسا کہ سابقہ گفتگو میں ہم نے اسے واضح کر دیا ہے۔ت) خود مولوی صاحب مذکور نے اسی فتوے کے آخر میں صفحہ ۳۱۰ پر حق کی طرف رجوع کرکے اختلافِ مطالع کے معنی یوں لکھے: "یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ ہلال دیکھا جائے اور دوسری جگہ نہیں" یہ عبارت پھر بھی محتمل ہے، جلد دوم ص ۲۴۷ پر صاف تر لکھا: "اگر دو شہروں میں اس قدر بُعدِ مسافت ہے کہ اختلافِ مطالع ہوتا ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ طلوع ہلال ہو اور دوسری جگہ اس روز نہ ہو" اور ایک امام زیلعی کے "اشبہ" لکھ دینے پر مولوی صاحب مذکور کا فرمانا کہ "یہی مذہب محدثین حنفیہ کا ہے" محض دعوٰی ہے، زیلعی صاحب مذہب نہیں نہ محدثین حنفیہ ان میں منحصر، ابوحنیفہ وابویوسف ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کے برابر کون سے محدثین ہوں گے جن کا مذہب عدم اعتبار اختلاف مطالع ہے، اور محدثی اگر محدثین متاخرین ہی سے خاص ہے تو بالغ مرتبہ اجتہاد امام ابن الہمام کیا کم محدث ہیں جو فرما چکے کہ ظاہر الروایۃ ہی پر عمل احوط ہے۔ رہی حدیث کریب کہ انھوں نے ملک شام میں رمضان مبارک کا چاند شبِ جمعہ کو دیکھا پھر مدینہ طیبہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے آکر بیان کیا انھوں نے فرمایا ہم نے شبِ شنبہ میں دیکھا تو ہم اپنے ہی حساب سے ۳۰ پورے کریں گے، کریب نے کہا کیا آپ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رؤیت وحکم پر اکتفا نہ کریں گے فرمایا لا ھٰکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] (نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ت) جس سے امام زیلعی نے استناد کیا اور اس کی بنا پر مولوی صاحب مذکور نے اسے موافقِ حدیث بتایا۔ **اقول** حدیث مذکور واقعۃ عین لاعموم لہا (یہ ایک خاص

---

[1] جامع ترمذی ابواب الصیام امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۸۷

واقعہ ہے اس کا حکم عمومی نہیں۔ت) بحال صفائے مطلع بکثرت ائمہ ایک کی گواہی نہیں مانتے ممکن کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اسی بنا پر نہ مانی ہو، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حکم تو بے نصاب شہادت ثابت ہو ہی نہ سکتا تھا، تنویر میں ہے:

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا الخ[1]

گواہوں نے کہا کہ انھوں نے قاضیِ شہر کے پاس اس طرح گواہی دی ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ شھدوا من اطلاق الجمع علٰی مافوق الواحد وفی بعض النسخ شھدا بضمیر التثنیۃ وھو اولٰی[2]۔

قولہ "شھدوا" یہاں جمع کا اطلاق ایک سے زائد پر ہے، بعض نسخوں میں ضمیر تثنیہ کے ساتھ شھدا ہے اور یہی اولٰی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب کما مر[3]

اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت سے روزہ رکھنا لازم تب آئے گا جب ان کی رؤیت بطریق موجب شرعی ثابت ہوگی جیسا کہ گزرا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھدا علٰی حکم القاضی اویستفیض الخبر[4]

دو آدمی شہادت پر شہادت دیں یا حکمِ تام پر شہادت دیں یا خبر مشہور ہو۔ (ت)

لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے لا فرمایا، بنگاہِ اولیں یہ جواب فقیر کے خیال میں آیا تھا، پھر دیکھا کہ امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور جواب دیا اور اس کے بعض کی طرف بھی اشارہ کیا، فرماتے ہیں:

قد یقال ان الاشارۃ فی قولہ

یُوں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کے ارشاد

---

[1] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۲
[3] درمختار | کتاب الصوم | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۴۹
[4] ردالمحتار | مطلب فی اختلاف المطالع | مصطفی البابی مصر | ۲/۱۰۵

هکذا الی نحو ما جری بینه وبین ام الفضل وحینئذ لادلیل فیه لان مثل ما وقع من کلامه لو وقع لنا لم نحکم به لانه لم یشھد علی شھادۃ غیرہ ولا علی حکم الحاکم، فان قیل اخبارہ عن صوم معاویۃ یتضمنہ لانہ الامام یجاب بانہ لم یات بلفظ الشھادۃ ولو سلم فھو واحد لایثبت بشھادتہ وجوب القضاء علی القاضی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم والاخذ بظاھر الروایۃ احوط[1] اھ اقول لکن فی الحدیث قال انت رأیتہ قلت نعم[2] والاخبار فی رمضان کاف فماذکرالفقیر اولٰی۔

ھکذا میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ان کے اور حضرت ام فضل کے درمیان جاری ہوئی تو اب یہ دلیل نہیں کیونکہ ان کے کلام کی طرح اگر ہمارے سامنے معاملہ آجائے تو ہم اس پر فیصلہ نہیں کریں گے کیونکہ ایسا بیان کرنے والے نے نہ تو کسی کی شہادت پر گواہی دی ہے اور نہ کسی حاکم کے فیصلہ پر، اگر کوئی یہ سوال اٹھائے کہ حضرت معاویہ کے روزہ کی اطلاع اس گواہی کو متضمن ہے کیونکہ وہ امیر تھے، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں لفظ شہادت کا ذکر نہیں، اور اگر اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ تنہا ہیں تو ان کی شہادت سے قاضی پر قضا کا فیصلہ لازم نہ ہوگا اللہ تعالٰی بزرگ وبرتر بہتر جانتا ہے اور ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے اھ اقول حدیث میں ہے تو نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے کہا ہاں، اور رمضان کے لیے یہ اطلاع ہی کافی ہے تو بندہ حقیر نے جو ذکر کیا وہ اولٰی ہے (ت)

معہذا مولوی صاحب مذکور کو حدیث سے استناد اُس وقت پہنچتا کہ دمشق و مدینہ طیبہ میں یک ماہہ راہ کا فصل ثابت کیا جاتا ورنہ حدیث خود ان کے بھی مخالف ہوگی کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ت) یہاں ایک امر یہ بھی قابلِ تنبیہ ہے کہ مولوی صاحب مذکور نے اپنے فتاوی میں تین جگہ عبارتِ تاتارخانیہ:

اھل بلدۃ اذارأوا الھلال ھل یلزمہ ذلک فی حق کل بلدۃ اخری اختلف المشائخ فیہ، فبعضھم قالوا لایلزم ذلک فانما المعتبر فی حق اھل بلدۃ رؤیتھم وفی الخانیۃ لاعبرۃ لاختلاف المطالع فی ظاھر الروایۃ وفی القدوری

جب ایک شہر والوں نے چاند دیکھا تو کیا ہر شہر والوں پر روزہ لازم ہوگا؟ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے اس سے روزہ لازم نہیں، ہر شہر والوں کے حق میں ان کی اپنی رؤیت ہی معتبر ہے۔ خانیہ میں ہے ظاہر الروایۃ کے مطابق اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اور قدوری

---

[1] و [2] فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳

اذا کان بین البلدتین تفاوت لایختلف المطالع یلزمه وذکرشمس الائمۃ الحلوانی انہ الصحیح من مذھب اصحابنا[1]۔

جب دونوں شہروں کے درمیان اتنا تفاوت ہو جس سے مطالع میں اختلاف نہ ہو تو لازم ہوگا، شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہی ہے۔ (ت)

نقل کی اور ظاہراً خیال کیا کہ تصحیح امام شمس الائمہ اعتبار اختلاف کی طرف ناظر ہے حالانکہ وہ مذھب اصحابنا فرمارہے ہیں اور ظاہر ہے کہ مذھب اصحابنا نہیں مگر ظاہر الروایۃ کما قدمنا نقولہ فیما سبق (جیسا کہ ہم نے پہلے تذکرہ کر دیا ہے۔ ت) اور ظاہر الروایۃ نہیں مگر عدم اعتبار اختلاف جیسا کہ خود مولوی صاحب کو اعتراف، ج ۲ ص ۱۶۲ پر لکھا:

نزد اکثر مشائخ حنفیہ موافق ظاہر الروایۃ اختلاف مطالع را مطلقاً اعتبار نیست[2]۔

ظاہر الروایۃ کے موافق اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک اختلافِ مطالع کا مطلقاً اعتبار نہیں (ت)

ج ۲ ص ۱۷۴ پر کہا: جب کسی شہر میں ثابت ہو جائے کہ فلاں شہر میں چاند ہُوا تو ان پر موافق اس کے حکم دیا جائے گا گو دونوں شہروں میں بُعدِ مسافت ہو اور یہی ظاہر الروایۃ ہے[3]۔

لاجرم پھر غنیہ ذوی الاحکام میں فرمایا:

قال الامام الحلوانی الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدۃ اخری وتحقق یلزمھم حکم تلک البلدۃ[4]۔

امام حلوانی نے فرمایا ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہے کہ جب خبر دوسرے شہر میں مشہور و متحقق ہو جائے تو پھر دوسرے شہر والوں پر پہلے اہلِ شہر کا حکم لازم ہوگا۔ (ت)

مسلک متقسط شرح منسک متوسط میں فرمایا:

ان ثبت فی مصر لزم سائر الناس فی ظاھر الروایۃ وعلیہ اکثر المشائخ

جب شہر میں ثبوت ہو جائے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق باقی لوگوں پر لازم ہوگا، اکثر مشائخ کی یہی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی — کتاب الصوم — مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۶۵، ۲۷۳، ۲۷۵
فتاوٰی تاتارخانیہ — کتاب الصوم — ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۳۵۵
[2] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحی — " — مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۷۴
[3] " " " ۱/۲۶۶
[4] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الحکام — احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادت بیروت ۱/۲۰۱

38 وبه کان یفتی الفقیه ابو اللیث وشمس الائمة الحلوانی وھو مختار صاحب التجرید والکافی وغیرھم من المشائخ[1]

رائے ہے، فقیہ ابو اللیث اور شمس الائمہ حلوانی نے بھی اسی پر فتوٰی دیا ہے، صاحبِ تجرید و کافی اور دیگر مشائخ کے ہاں یہی مختار ہے (ت)

خلاصہ و عالمگیریہ وغیرہما معتمدات میں فرمایا:

علیه فتوی الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوانی قال لو رأی اھل مغرب ھلال رمضان یجب الصوم علی اھل المشرق[2]

فقیہ ابو اللیث کا اسی پر فتوٰی ہے، شمس الائمہ اسی پر فتوٰی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اہلِ مغرب رمضان کا چاند دیکھ لیں تو اہلِ مشرق پر رمضان کا روزہ لازم ہو جائے گا (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریحات ہیں کہ امام شمس الائمہ کا فتوٰی اسی پر ہے کہ اختلافِ مطالع اصلاً معتبر نہیں، بالجملہ بعد اس جاننے کے کہ اختلافِ مطالع کا نامعتبر ہونا ہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور وہی معتمد جمہور و قولِ کثیر ہے۔ اس سے عدول کی کوئی راہ نہیں مگر الحمد للہ مولوی لکھنوی صاحب نے اپنے فتاوٰی کی جلد سوم میں حق کی طرف صاف رجوع کی، صفحہ ۲۷ پر کہتے ہیں:

سوال: رؤیت یکجا مفید حکم بجائے دیگر مے شود یا آنکہ اختلاف مطالع معتبر ست۔

سوال: آیا ایک جگہ رؤیت کا حکم دوسری جگہ پر لاگو ہوتا ہے یا اختلافِ مطالع معتبر ہے؟

جواب: اختلافِ مطالع معتبر نیست و حکم یکجا مفید حکم بجائے دیگر مے شود اگر خبر رؤیت مشتہر شود و انتشار پذیرد و در مختار مے آرد واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی بحر عن الخلاصة انتہی در جامع رموز مے آرد الصحیح من مذھب اصحابنا انه یلزم

جواب: اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں ہے اور ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ کے لیے معتبر و مفید ہوتا ہے جبکہ خبر مشہور ہو کر اطراف میں پھیل جائے، ظاہر مذہب میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کا یہی قول ہے اور فتوٰی بھی اسی پر ہے کذا فی البحر عن الخلاصہ انتہی، اور جامع الرموز میں یہ مذکور ہے ہمارے ائمہ کا صحیح مذہب یہی ہے

[1] مسلک متقسط شرح منسک متوسط فصل فی اشتباہ یوم عرفۃ الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۴۳
[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۸-۹۹

اذا استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری[1]۔ ملخصاً۔

کہ جب خبر دوسرے شہر میں مشہور ہوجائے تو روزہ لازم ہوجاتا ہے۔ (ت)

یہ وہی صحیح من مذہب اصحابنا ہے کہ پہلے قول خلاف کی طرف منسوب سمجھا گیا تھا اور ایک اور سوال کے جواب میں بھی مطلقاً مقام بعید کی شہادت مقبول مانی، ص ۴۷ و ۴۳:

سوال: گواہان بروز بست ونہم از رمضان گواہی دادند کہ ما ہلال رمضان یک روز قبل دیدہ ایم کہ بداں حساب امروز سیم رمضان ست پس شہادت ایشاں مقبول خواہد شد یا نہ؟

سوال: گواہوں نے ۲۹ رمضان کو یہ گواہی دی کہ ہم نے رمضان کا چاند ایک روز پہلے دیکھا تھا اس حساب سے آج ۳۰ رمضان بنتا ہے تو ان گواہوں کی گواہی مقبول ہوگی یا نہ؟

جواب: اگر گواہاں ہمانجا بودند واز اول رمضان ساکت ماندہ بست ونہم رمضان گواہی دادند گواہی ایشاں مقبول نخواہد شد و اگر از سفر از مقام بعید می آیند شہادت مقبول خواہد شد کذا فی الخلاصۃ[2]۔

جواب: اگر گواہ اسی مقام کے رہنے والے ہوں اور رمضان کے پہلے دن خاموش رہے اور اب ۲۹ رمضان کی گواہی دے رہے ہیں تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر کہیں دور کے مقام سے سفر کرکے آئے ہوں تو ان کی شہادت قبول کی جائیگی کذا فی الخلاصہ۔ (ت)

یہ تیسری جلد مولوی صاحب نے آپ ہی سوالات قائم کرکے لکھی ہے اور اس میں بہت جگہ پہلی جلدوں کے اغلاط کی اصلاح کردی ہے اُن کے فتاوٰی دیکھنے والے کو اس کا لحاظ ضرور رہے۔ مدت سے خیال تھا کہ مسئلہ اختلاف مطالع میں ایک بیان شافی لکھا جائے کہ ابرِ اختلاف اُٹھ کر مطلع صاف نظر آئے، الحمدللہ کہ آج اس کا وقت آیا وللہ الحمد فی الاولٰی والاخری وصلی اللہ تعالٰی علی بدر تجلی من البطحاء وعلٰی اٰلہ وصحبہ نجوم الہدی۔

سیزدہم نیم صاع کہ گیہوں سے روزے کا فدیہ اور فطر کا صدقہ ہے ایک سو پینتیس تولہ ہے انگریزی سیر سے کہ اسّی روپے بھر ہے اور روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے[3] آدھ پاؤ کم دو سیر نہ ہوا بلکہ تین چھٹانک اور بیسواں حصہ چھٹانک کا کم دو سیر، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی جلد چہارم "صدقہ فطر کے بیان" میں

---

[1] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحی لکھنوی باب رؤیۃ ہلال مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۷۱-۷۰

[2] " " " " ۳/ ۷۱

[3] فتاوٰی رضویہ (جدید) جلد ہذا صفحہ ۲۳۹۔

مشرحاً بیان کیا ہے اور یہ فتوٰی تحفہ حنفیہ عظیم آباد میں چھپ بھی گیا ہے اور بریلی کے سیر سے کہ پورے سو روپیہ بھر کا ہے ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی اور رامپور کے سیر سے کہ چھیانوے کا ہے پورا ڈیڑھ سیر، فاحفظ ولاتزل۔

چہاردہم جس نے بعذر شرعی روزہ نہ رکھا اسے وقت نہ ہو تو حرمت ماہ مبارک کے لحاظ سے حتی الوسع چھپا کر کھانا پینا چاہئے مگر کسی روزہ دار کے سامنے کچھ نہ کھانے کا مطلقاً وجوب محتاج دلیل ہے۔

پانزدہم کا غذیا کنکر یا خاک وغیرہا اشیا کو کہ نہ دوا ہیں نہ غذا، نہ مرغوب طبع، اگر تل بھر نہیں پیٹ بھر کھالے گا صرف قضا ہوگی کفارہ نہ آئے گا۔ یونہی روزہ توڑنا عمداً حقنہ وغیرہا اشیائے مذکورہ مابعد کو بھی شامل، مگر اس میں کفارہ نہیں۔ نیز کفارہ صرف ادا روزہ رمضان کے توڑنے میں ہے جبکہ یہ نہ صاحب عذر تھا نہ اُس دن میں کوئی آسمانی عذر مثل حیض یا مرض پیدا ہوجائے، نہ ہی توڑنا کسی کے جبر و اکراہ سے ہو اور روزے کی نیت رات سے کی ہو، درمختار میں ہے:

ثم انما یکفر ان نوی لیلا ولم یکن مکرھا ولم یطرأ مسقط کمرض وحیض[1]

پھر کفارہ تب ہوگا جب رات کو نیت کی ہو اور مجبور بھی نہ ہو اور کفارہ چھوڑنے کا کوئی عارضہ مثل مرض وحیض وغیرہ کے لاحق نہ ہُوا ہو(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ مسقط ای سماوی لاصنع لہ فیہ ولا فی سببہ رحمتی[2]

قولہ مسقط یعنی وہ عارضہ سماوی جس میں بندے کا کوئی دخل نہ ہو اور نہ اس کے سبب میں دخل ہو، رحمتی۔(ت)

تو یہ اشتہاری مطلق احکام سب غلط ہیں۔

شانزدہم کفارے میں شرعاً ترتیب ہے سب میں پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے کے لگاتار روزے، یہ بھی نہ ہوسکے تو اخیر درجہ ساٹھ مسکین کما نص اللہ تعالٰی علیہ فی اٰیۃ الظہار (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے آیتِ ظہار میں تصریح فرمادی ہے۔ت) غلام آزاد کرنا تو شاید اشتہار میں اس لیے مذکور نہ ہُوا کہ یہاں غلام کہاں، مگر روزوں اور ساٹھ مسکینوں میں ترتیب نہ رکھنا صحیح نہیں،

---

[1] درمختار — باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۵۱

[2] ردالمحتار — مطلب فی الکفارۃ — مصطفی البابی مصر — ۱/۱۲۰

بہ اگر جہل نہ ہو تو سخت تر ہے کہ تجہیل و تضلیل ہے۔

ہفدہم حلق سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب تک اس سے انزال نہ ہو۔ درمختار میں ہے: استمنی بہ ولم ینزل[1] (مشت زنی کی، انزال نہ ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ ت) تو یہ اطلاق بھی غلط ہے۔

ہیجدہم قصداً قے کرنے سے بھی روزہ نہیں جاتا مگر جبکہ روزہ یاد ہونے کی حالت میں منہ بھر کر ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لا فطر فی الکل علی الاصح الا فی الاعادۃ والاستقاء بشرط الملأ مع التذکیر شرح الملتقی[2]

اصح قول کے مطابق ان تمام میں افطار نہ ہوگا البتہ اعادہ کی صورت میں نیز جب قے کو لوٹائے یا خود قے کرے بشرطیکہ منہ بھر کر ہو اور روزہ ہونا یاد ہو، شرح الملتقی (ت)

نوزدہم مفطرات غیر مکفرات مثل حقنہ وغیرہا کا مطلقاً دوبارہ کرنا موجب کفارہ نہیں جب تک بقصد معصیت نہ ہو۔ درمختار میں ہے:

کل ما انتفی فیہ الکفارۃ محلہ ما اذا لم یقع ذلک منہ مرۃ بعد اخری لاجل قصد المعصیۃ فان فعلہ وجبت زجرا لہ[3]

جس صورت میں کفارہ لازم نہ ہو اس کا محل یہ ہے کہ جب اس شخص سے وہ فعل بتکرار گناہ کے قصد سے صادر نہ ہو، پس اگر اس فعل کو مکرر کرے گا تو زجراً کفارہ واجب ہوگا۔ (ت)

اور اس عبارت سے اگرچہ علامہ طحطاوی نے یہ استظہار کیا کہ دو ہی بار کرنے میں کفارہ واجب کر دیں گے اور علامہ شامی نے اسے نقل کرکے مقرر رکھا مگر اس معنی پر جزم انھیں بھی نہیں، اتنا ہی فرمایا ہے:

ظاھرہ انہ بالمرۃ الثانیۃ تجب علیہ الکفارۃ ولو حصل فاصل بایام[4]

ظاہر یہ ہے کہ اگر دوسری دفعہ کیا تو کفارہ لازم اگرچہ درمیان میں متعدد ایام کا فاصلہ ہو (ت)

اور فقیر کے نزدیک یہ ہنوز محتاج مراجعت ہے، اگر یہ مراد ہوتی تو مرۃ اخری (دوبارہ کرنا۔ ت) کہنا کافی تھا مرۃ بعد اخری (بار بار کرنا۔ ت) ظاہراً بار بار تکرار کی طرف ناظر ہے فلیراجع و

---

[1] درمختار | باب ما یفسد الصوم وما لایفسدہ | مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۵۰

[2] ردالمحتار | مطلب فی الکفارۃ | مصطفی البابی مصر | ۲/ ۱۲۰

[3] درمختار | باب ما یفسد الصوم الخ | مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۵۱

[4] ردالمحتار | " | مصطفی البابی مصر | ۲/ ۱۱۵

لیحرر (غور طلب ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

بستم حاملہ کو بھی مثل مرضعہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی صورت میں ہے کہ اپنے یا بچے کے ضرر کا اندیشہ غلبۂ ظن کے ساتھ ہو نہ کہ مطلقًا جیسا کہ اشتہار نے زعم کیا۔

بست و یکم جب رکعاتِ تراویح میں اختلاف پڑے کہ بیس ۲۰ پڑھیں یا اٹھارہ ۱۸، تو اس میں نہایت کثرت سے مختلف صورتیں ہیں، اُن کی تمام تر تفصیل اور اُن کے اصول کی تاصیل اور اُن کے احکام تحقیق و تحصیل فقیر نے تعلیقاتِ ردالمحتار میں ذکر کی یہاں اجمالاً اتنا گزارش کہ نہ مطلقًا اختلاف امام وقوم کی حالت میں مقتدیوں کو دو۲ رکعت پڑھنے کا حکم، نہ مطلقًا تنہا پڑھنے کا حکم، نہ یہ حکم مطلقًا امام کو کسی عدد پر یقین ہونے کے ساتھ خاص، مثلاً مقتدیوں کو یقین ہے کہ بیس ہوگئیں اور امام کو شک تھا یا اٹھارہ کا یقین ہی ہے تو مقتدی اصلاً دو۲ رکعت نہ پڑھیں گے، نہ جماعت سے نہ تنہا، کہ جب اُنھیں تراویح کامل ہوجانے کا یقین ہے تو اب اُنھیں امام کے شک یا یقین سے زیادہ کا کیونکر حکم ہوسکتا ہے، اپنے جزم پر غیر کا جزم بھی حاکم نہیں ہوسکتا نہ کہ شک، ردالمحتار میں ہے:

لوتیقن الامام بالنقص لزمھم الاعادۃ الامن تیقن منھم بالتمام[1]	اگر امام کو کم کا یقین ہو تو ان پر اعادہ لازم ہے مگر ان میں سے جسے تکمیل کا یقین ہو (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لان یقینہ لایبطل بیقین غیرہ[2]	کیونکہ اس کا یقین کسی دوسرے کے یقین سے باطل نہیں ہوسکتا۔ (ت)

اور اگر مقتدیوں کو ۱۸ کا یقین ہے اور امام کو بیس۲۰ کا شک ہو تو خود امام بھی دو۲ اور پڑھے گا اور یقین مقتدیاں کی اقتداء کرے گا اور جماعت سے پڑھی جائیں گی۔ درمختار میں ہے:

لو اختلف الامام والقوم فلو الامام علی یقین لم یعد والا اعاد بقولھم[3]	اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف ہوگیا اگر امام کو یقین ہو تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہ ہو تو مقتدیوں کا قول معتبر ہونے کی وجہ سے اعادہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰۷

[2] فتح القدیر 〃 نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۵۷

[3] درمختار 〃 مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

فتح القدیر میں ہے :

فان اعاد الامام الصلٰوۃ واعادوا معہ مقتدین بہ صح اقتدائھم[1]

اگرامام نے اعادہ نماز کیا اور لوگوں نے اس کی اقتدا میں اعادہ کیا تو ان کی اقتداء درست ہوگی (ت)

بست و دوم حافظ کہ ایک بار ختم کرچکا اب دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنانا چاہتا ہے جہاں ابھی لوگوں نے قرآن عظیم نہیں سُنا ہے تو مذہب صحیح و معتمد پر اس کے عدمِ جواز کی اصلاً کوئی وجہ نہیں نہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہونے کے کوئی معنی، ظاہر ہے کہ ان راتوں میں وہ بھی تراویح ہی پڑھے گا نہ کہ نفل محض، تو ضرور تراویح کا امام ہوسکتا ہے اور جب امام تراویح ہوسکے گا تو دوبارہ قرآن عظیم پڑھنے سے کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، اور جب اس سے ممنوع نہیں تو بلاشبہ جو کچھ قرآن عظیم اُس میں پڑھے گا وُہ تراویح صحیحہ مسنونہ ہی میں ہوگا، پھر ثواب نہ ملنا چہ معنی، اور اس کی یہ تعلیل کہ "وہ اب نفل سناتا ہے اور مقتدی واجب سُننا چاہتے ہیں" اس سے بھی زیادہ فاسد و علیل۔ تراویح میں پہلا ختم بھی واجب نہیں صرف سنّت ہی ہے اور دوبارہ ختم کرنا اگرچہ حافظ پر سنّت مؤکدہ نہ تھا مگر یہ قبل الوقوع ہے بعد وقوع سنّت درکنار جتنا پڑھے گا فرض ادا ہوگا کہ نماز میں فرض ابتدائی اگرچہ ایک ہی آیت ہے مگر سارا قرآن عظیم اگر ایک رکعت میں پڑھے سب فرض ہی واقع ہوتا ہے لانہ فرد فاقرءُوا ما تیسر من القراٰن (کیونکہ یہ بھی (ارشاد باری تعالٰی) "جو قرآن میں سے آسان ہے پڑھو" کا فرد ہے۔ ت) ولہذا اگر سُورت بھول کر رکوع میں چلا جائے پھر رکوع میں یاد آئے تو حکم ہے کہ رکوع کو چھوڑے اور کھڑا ہوکر سُورت پڑھے اور پھر رکوع کرے حالانکہ ضم سورت صرف واجب تھا اور واجب کے لیے رفض فرض جائز نہیں جیسے قعدہ اولٰی بھول کر جو سیدھا کھڑا ہوجائے اب اُسے عود حلال نہیں کہ قعدہ واجب تھا اور قیام فرض ہے مگر سورت جو پڑھے گا یہ بھی فرض واقع ہوگی تو فرض کے لیے رفض فرض ہوا، ولہذا اگر کھڑا ہوکر سُورت پڑھے اور اس خیال سے کہ رکوع تو پہلے کرچکا ہُوں دوبارہ رکوع نہ کرے نماز باطل ہوجائیگی کہ فرض کے لیے جو فرض چھوڑا گیا وُہ جاتا رہا تھا اس پر فرض تھا کہ رکوع دوبارہ کرتا۔ ردالمحتار میں ہے :

فی المبتغی لوسھا عن السورۃ فرکع یرفض الرکوع ویعود الی القیام ویقرأ اھ فی البحر انہ اذا عاد وقرأ السورۃ

المبتغی میں ہے اگر سُورت پڑھنا بھول گیا رکوع کرلیا تو رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف لوٹ آئے اور قرأت کرے اھ بحر میں ہے جب لوٹ کر سُورت پڑھی تو سورت بطور

---

[1] فتح القدیر باب سجود السہو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۵۷

صارت فرضا فقد عاد من فرض الی فرض لان کل فرض طولہ یقع فرضا[1] اھ ملتقطا

فرض ادا ہوگی تو یہ ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف لوٹنا ہُوا کیونکہ ہر فرض کی طوالت بھی فرض میں شامل ہوتی ہے اھ ملتقطا (ت)

ایک بار ختم کرکے دُوسری راتوں میں دوسرا ختم نئے لوگوں کو سنانا تو نہایت صاف امر ہے اگر بالفرض کوئی شخص آج اپنی تراویح پڑھ کر آج ہی رات اور لوگوں کی امامت تراویح میں کرے اور قرآن عظیم سنائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہوگا۔ روایت مختارہ امام قاضی خاں پر تو ظاہر ہے کہ وہ متنفل محض کے پیچھے تراویح کی اقتدار بلاکراہت جائز مانتے ہیں، صرف امام کے حق میں کراہت کہتے ہیں اگر نیتِ امامت کرے ورنہ اس پر بھی کراہت نہیں، خانیہ میں فرمایا،

لوصلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم ام قوما اٰخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ ولا یکرہ للقوم، ولو لم ینوا الامامۃ اولا و شرع فی الصلوٰۃ واقتدی بہ الناس فی التراویح لم یکرہ لواحد منھما[2]

اگر کسی نے نماز عشاء، تراویح اور وتر گھر ادا کئے پھر تراویح میں لوگوں کی امامت کی نیت سے تراویح کی امامت کی تو یہ مکروہ ہے لیکن قوم کے لیے یہ مکروہ نہیں ہے اور اگر اوّلاً اس نے امامت کی نیت نہ کی نماز میں شروع ہُوا تھا کہ لوگوں نے تراویح میں اقتدا کرلی تو اب کسی کے حق میں کراہت نہیں (ت)

اور روایت مختارۂ امام شمس الائمہ سرخسی پر اگرچہ یہ ناجائز ہے اور ان لوگوں کی تراویح نہ ہوں گی،

لان التراویح سنۃ مستقلۃ شرعت بوجہ مخصوص فلا تتأدی الابہ۔

کیونکہ نماز تراویح مستقل سنّت ہے جو وجہ مخصوص پر مشروع ہے تو یہ اسی وجہ مخصوص کے ساتھ ہی وُہ ادا ہوگی (ت)

اور یہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

الامام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لا یجوز[3]

ایک امام جو دو مساجد میں مکمل طور پر نماز تراویح پڑھائے تو یہ جائز نہیں ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار — باب سجود السہو — داراحیاء التراث العربی — ۱/۵۰۰

[2] فتاوٰی قاضیخان — فصل فی نیۃ التراویح — نولکشور لکھنؤ — ۱/۱۱۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ — فصل فی التراویح — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۱۱۶

اسی میں جامع المضمرات شرح قدوری سے ہے : الفتوی علی ذٰلک[1] (فتوٰی اسی قول پر ہے ۔ ت)

جوہرہ نیرہ میں ہے :

لوصلی امام التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال قال ابوبکر الاسکاف لایجوز وقال ابونصر یجوز لاھل المسجدین واختار ابواللیث قول الاسکاف وھو الصحیح[2]

اگر کوئی امام دو مساجد میں مکمل طور پر نماز تراویح پڑھائے تو شیخ ابوبکر اسکاف نے فرمایا یہ جائز نہیں، اور شیخ ابونصر نے کہا دونوں مساجد والوں کیلئے جائز ہے، شیخ ابواللیث نے اسکاف کے قول کو اختیار کیا اور یہی صحیح ہے (ت)

نیز ہندیہ میں محیط سے ہے :

لوصلی التراویح مقتدیا بمن یصلی مکتوبۃ اووترا اونافلۃ الاصح انہ لایصح الاقتداء بہ لانہ مکروہ مخالف لعمل السلف[3]

اگر کسی نے نماز تراویح ایسے شخص کی اقتداء میں ادا کی جو فرض یا وتر یا نفل پڑھ رہا تھا تو یہ اقتداء درست نہیں کیونکہ یہ مکروہ اور عملِ اسلاف کے مخالف ہے (ت)

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نماز ہی نہ ہوگی، تراویح نہ ہونا اور بات ہے اور نماز نہ ہونا اور بات،

الاتری انہ انما علل بالکراھۃ ومخالفۃ الماثور وھما لاینفیان الاقتداء ولا یفسدان الصلٰوۃ۔

آپ دیکھ نہیں رہے کہ علت کراہت اور مخالفت ماثور کو قرار دیا گیا ہے اور یہ دونوں اقتداء کے منافی نہیں اور نہ ہی نماز کو فاسد کرتی ہیں (ت)

تو وہ نماز اگرچہ تراویح نہیں یقیناً نماز صحیح ونفل محض ہے اور نفل محض میں بھی استماعِ قرآن فرض ہے اور اس ادائے فرض پر ثواب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو قرآن سننے کا ثواب یہاں بھی ہے ہاں روایت مفتی بہا پر اس صورت خاصہ میں یعنی جبکہ امام اپنی تراویح پڑھ کر اُسی رات اوروں کی امامت کرے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تراویح میں ختم قرآن کا انھیں ثواب نہ ملے گا کہ یہ تراویح نہیں، اور صورتِ اولٰی میں تو اس کی طرف بھی اصلاً راہ نہیں کہ وہ نماز بلاشبہ تراویح اور وہ ختم ختم فی التراویح ہے، بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی مولوی صاحب نے مولوی عبدالحی صاحب

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۶

[2] الجوہرۃ النیرۃ باب قیام شہر رمضان مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۱۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۷

لکھنوی کا اتباع کیا ہے۔ مولوی صاحب لکھنوی خزانۃ الروایات سے ناقل ہیں:

قال السغناقی امام ختم فی التراویح مرۃ وختم ثانیا بغیر ھذا القوم لایخرج ھذا القوم الثانی عن السنیۃ لان الامام خرج السنیۃ فصار لہ نفلا فید رکون ثواب صلٰوۃ النفل ولایدرکون ثواب صلٰوۃ التراویح[1]

شیخ سغناقی کہتے ہیں امام نے ایک مرتبہ تراویح میں قرآن ختم کیا تو دوسری قوم سنت کو ادا کرنے والی قرار نہیں پائے گی کیونکہ امام سنت ادا کرچکا تھا اب اس کے لیے وہ نفل ہے، لوگ نماز نفل کا ثواب تو پائیں گے مگر تراویح کا ثواب نہیں پائیں گے (ت)

ظاہر ہے کہ اس کا مبنٰی وہ قول ضعیف ہے کہ جب ختم قرآن ہوجائے تو تراویح سنت نہیں رہتیں،

کما یفصح عنہ قولہ یدرکون ثواب صلٰوۃ النفل وقولہ لایدرکون ثواب صلٰوۃ التراویح۔

جیسا کہ ان کا یہ قول واضح کررہا ہے کہ وہ نماز نفل کا ثواب پائیں گے اور یہ قول بھی کہ وہ تراویح کا ثواب نہیں پائیں گے۔ (ت)

اور یہ قول ضعیف ونامأخوذ ہے اصح ومعتمد ومعمول بہ یہی ہے کہ ختم اگرچہ ہوجائے تراویح سارے ماہ مبارک میں سنتِ مؤکدہ ہیں، اسی پر جوہرہ میں جزم کیا اور اسی کو سراج وہاج میں اصح کہا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوحصل الختم لیلۃ التاسع عشر او الحادی والعشرین لایترک التراویح فی بقیۃ الشھر لانھا سنۃ کذا فی الجوھرۃ النیرۃ الاصح انہ یکرہ لہ الترک کذا فی السراج الوھاج[2]

اگر قرآن انیسویں یا اکیسویں کو ختم ہوگیا تو باقی ماہ میں تراویح کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ سنت ہیں، جیسا کہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے۔ اصح یہ ہے کہ تراویح کا ترک مکروہ ہے، جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے۔ (ت)

تو اب اس سے عدول کا اختیار نہ رہا۔ فتاوٰی خیریہ جلد اول میں فرمایا:

انت علی علم بانہ بعد التنصیص علی الصحیۃ لایعدل عنہ الی غیرہ[3]

آپ باخبر رہیں کہ جب اس حکم کے اصح ہونے پر تصریح مل جائے تو دوسرے قول کی طرف عدول نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

اسی کی جلد ثانی میں فرمایا: حیث ثبت الاصح لایعدل عنہ[4] (جب اصح کا ثبوت ہو تو پھر اس سے

[1] مجموعہ فتاوٰی بحوالہ خزانۃ الروایات کتاب الصلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۱۴۴
[2] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹
[4] " کتاب الصلح " " " ۲/۱۰۴

عدول نہ کیا جائے ۔ت) خود مولوی لکھنوی صاحب نے لکھا :

مفتی بہ ومختار محققین آنست کہ تراویح سنت علیحدہ است وختم سنت علیحدہ ہیچ ازیں ہر دو تابع دیگر نیست پس بعد ختم سنیت تراویح باقی خواہد ماند چنانکہ بود [1]

مفتی بہ اور مختار محققین کے ہاں یہ ہے کہ تراویح الگ سنت اور ختم قرآن الگ سنت ہے ۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے تابع نہیں لہذا ختم قرآن کے بعد سنیتِ تراویح اسی طرح قائم رہے گی جیسے کہ پہلے تھی (ت)

باوصف اس جاننے کے پھر مفتی بہ سے عدول ہرگز روا نہ تھا اور اس سے بچنے کے لیے مولوی لکھنوی صاحب کی یہ توجیہ کہ :

قول مفتی بہ پر اگرچہ تراویح از ذمہ مقتدیان ساقط خواہد شد چہ در سنت تراویح امام ومقتدی ہر دو برابر اند لیکن در سقوط ختم اشکالیست چہ فقہا در باب اقتدار ضعف نماز امام را اگرچہ بہ یک رکن باشد مانع اقتدار می نویسند چنانچہ در درمختار وغیرہ مذکور ست اما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت ویتم لابعدہ فیما یتغیر لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدۃ لو اقتدی فی الاولیین او القراءۃ لو اقتدی فی الاخریین [2] انتہی دریں صورت باوجودیکہ امام ومقتدی ہر دو تحریمہ فرض بستہ ، سبب ضعف یک جز از اجزاء نماز امام حکم بفساد اقتداء دادہ شد پس بناءً علیہ درصورت سوال ہم حکم بعدم سقوط ختم از مقتدیان دادہ خواہد شد وہمیں امر از عبارت

قول مفتی بہ پر اگرچہ تراویح مقتدیوں کے ذمہ سے ساقط ہوجائیں گی کیونکہ سنت تراویح میں امام اور مقتدی دونوں برابر ہیں لیکن ختم کے سقوط میں اختلاف ہے کیونکہ فقہا اقتدار کے باب میں نماز امام کے ضعف کو اگرچہ وُہ ایک رکن میں ہو مانع اقتدار قرار دیتے ہیں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے ، مسافر کی اقتدار مقیم کے ساتھ وقتی نماز میں صحیح ہے اور وہ ادا بھی چار رکعت کرے لیکن بعد میں تبدیلی آجاتی ہے لہذا اقتدا درست نہیں ہوگی کیونکہ اب اگر پہلی دو رکعات میں اقتدا کرے گا تو قعدہ کے اعتبار سے فرض ادا کرنے والے کی متنفل کی اقتدا لازم آئے گی اور اگر آخری دو رکعات میں اقتدار کرے تو قرات کے اعتبار سے یہی خرابی لازم آئیگی انتہی ، حالانکہ اس صورت میں امام اور مقتدی دونوں نے فرض کی تکبیر تحریمہ کہی لیکن نمازِ امام کے ایک جُز کے ضعف کی وجہ سے فسادِ اقتدار کا حکم جاری ہوگیا ۔ اس

---

[1] مجموعہ فتاویٰ — کتاب الصلوٰۃ — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۱/۱۳۴

[2] ؍؍ — ؍؍ — ؍؍ — ۱/۱۳۵

سغناقی مفہوم شود ہرگاہ در باب سقوط ختم وعدم سقوط
آں اختلاف واقع شد پس امام را لازم کہ ختم ثانی
را مع تراویح برخود نذر کردہ گیرد و گوید للہ ان اختم
القرآن فی صلوۃ التراویح تا ختم او
واجب شود و اقتدائے مقتدیان درست شود
چنانچہ در خزانۃ الروایۃ تفصیل آں مذکور ست
واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفا
عنہ[1]

پر بنا کرتے ہوئے سوال مذکور کے جواب میں یہی حکم
ہوگا کہ مقتدیوں کے ذمّہ سے ختم قرآن ساقط نہیں
ہوگا، اور عبارت سغناقی سے یہی بات مفہوم ہو رہی
ہے لہذا جہاں بھی سقوط وعدم سقوط ختم میں اختلاف
ہو جائے وہاں امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ تراویح
میں دوسرے ختم کی نذر مانتے ہوئے کہے کہ مجھ پر اللہ
کی رضا کی خاطر نماز تراویح میں ختم قرآن لازم تاکہ
اس پر ختم قرآن واجب ہو جائے اور مقتدیوں کی اقتداء
بھی درست ہو جائے، جیسا کہ خزانۃ الروایۃ میں اس کی تفصیل ہے واللہ اعلم المحرر محمد عبدالحی عفا عنہ (ت)

انصافاً شطرنج میں اضافہ بغلہ سے بہتر نہیں **اوّلاً** سُنن ونوافل میں اضعفیت مانع صحت بنا، نہیں
ہو سکتی ورنہ جس طرح عاری کے پیچھے لابس کی نماز نہیں ہو سکتی یونہی کلاہ پوش کے پیچھے عمامہ بند کی نماز نہ ہو سکے
کہ وہ سنیت میں مقتدیوں سے اضعف ہے۔

ثانیاً یہ مان کر کہ مقتدیوں کے ذمّہ سے تراویح ساقط ہو جائیگی پھر یہ فرمانا کہ امام پر نذر ماننا لازم
کہ اقتدائے مقتدیان درست ہو صریح تناقض ہے۔

ثالثاً عبارت سغناقی کا ہرگز یہ مفاد نہیں کہ باوصف صحت تراویح صرف اس بنا پر کہ امام ایک بار
ختم کرچکا ہے مقتدیوں کے ذمّہ سے ختم ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کا مبنٰی صراحۃً وہی تھا کہ تراویح ختم کے لیے تھیں
جب ختم ہوچکا تراویح بھی ختم ہوگئیں تو امام نفل محض پڑھ رہا ہے اور متنفل کے پیچھے تراویح ادا نہیں ہوتیں، ولہذا تصریح کی کہ ثوابِ نفل پائیں گے ثوابِ تراویح نہ پائیں گے، یہ مفاد اُس مفاد کے صریح مضاد ہے
نہ کہ باہم اتحاد۔

رابعاً شروع سے معلوم ہے کہ جماعت نفل بتداعی مشروع نہیں اور تراویح باجماعت وارد
ہوئیں تو وجہ متوارث ماثور پر مقتصر ہوں گی، اور وہ یونہی ہے کہ امام و مقتدی سب نیتِ تراویح کرتے یہاں
اضعف واقوی کو دخل نہیں، ولہذا اوپر تصحیح گزری کہ تراویح جس طرح متنفل کے پیچھے ساقط نہ ہونگی یونہی
مفترض کے پیچھے بھی ادا نہ ہوں گی حالانکہ مفترض یقیناً اعظم قوت پر ہے تو جب تک دلیل صریح سے ثبوت نہ دیا جائے

---

[1] مجموعہ فتاوی درینکہ بعد یک ختم قرآن آیا سنت تراویح الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۲۵۱-۵۲

کہ امام کا ایک بار ختم کیے ہوئے ہونا بھی ماثور و متوارث کے خلاف ہے اس پر اس کا قیاس محض بے معنی ہے بالجملہ متنفل کے پیچھے تراویح نہ ہونا تو ضرور منقول بلکہ اس پر فتوائے فحول، اور ایک بار ختم قرآن پڑھ لینے کے باعث حافظ کا امامت دیگراں سے معزول ہونا کہیں منقول نہیں اور آپ کی اپنی رائے سے بے نقل صحیح حجت و مقبول نہیں۔

خامساً بلکہ امر بالعکس ہے خود اسی خزانۃ الروایات میں کنز الفتاوٰی سے منقول:

رجل امقوما فی التراویح وختم فیہا ثم امقوم اٰخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولھم ثواب الختم [1]

کسی نے تراویح میں امامت کرتے ہوئے قرآن ختم کیا پھر دوسرے لوگوں کی امامت کی تو اب امام کے لیے ثوابِ فضیلت اور لوگوں کے لیے ختم کا ثواب ہوگا (ت)

یہ صریح جزئیہ ہے اور آپ کے خیال کا صاف رد اور قاضی گجراتی کا ارشاد کہ ھذا الکتاب غیر مشھور بین العلماء فلا وثوق بہ (یہ کتاب علماء کے درمیان مشہور نہیں لہذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ت) مسلم نہیں، صاحبِ کنز الفتاوٰی امام احمد بن محمد بن ابی بکر حنفی مصنف مجمع الفتاوٰی و خزانۃ الفتاوٰی ہیں کشف الظنون میں انھیں بلفظ شیخ و امام وصف کیا:

حیث قال کنز الفتاوی للشیخ الامام احمد بن محمد صاحب مجمع الفتاوی الحنفی [2]

انہوں نے کہا کہ کنز الفتاوٰی، شیخ امام احمد بن محمد حنفی صاحب مجمع الفتاوٰی کی کتاب ہے (ت)

سادساً ہم عنقریب واضح کرتے ہیں کہ ندرے سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوگی امثال فاضل لکھنوی سے قال ابو حنیفۃ کذا والحق کذا (امام ابوحنیفہ نے اسی طرح فرمایا ہے مگر حق یہ ہے۔ ت) فرمانے والے ہیں، مصنف خزانۃ الروایۃ ایک متاخر ہندی قاضی جگن گجراتی کی ایسی تقلید سخت عجیب و بعید

ولکن اللہ یفعل ما یرید والحمد للہ علی ارادۃ السبیل السدید واللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔

اللہ اپنے ارادے کے مطابق کرتا ہے اور صحیح رہنمائی فرمانے پر اللہ تعالٰی ہی کی حمد و ثنا ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے جس کی ذات نہایت ہی مقدس و بالا ہے (ت)

بست وسوم اگر وہ مسئلہ و تعلیل قبول کرلیے جائیں تو حافظ مذکور اگر ندرے بھی مان لے کہ میں تراویح

---

[1] خزانۃ الروایات

[2] کشف الظنون باب الکاف منشورات مکتبۃ المثنٰی بغداد ۲/۱۵۱۸

مع جماعت ختم قرآن ادا کروں گا تو اب بھی کار برآری مسلم نہیں کہ مقتدیوں پر وجوب اصلی تھا اور نذر کا وجوب عارضی ہے اور وہ وجوب اصلی سے اضعف ہے تو اضعف پر اقوٰی کی بنا صحیح نہیں۔ فتح اللہ المعین پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے:

بناء القوی علی الضعیف انما یمتنع اذا کانت القوۃ ذاتیۃ فلو عرضت بالنذر کما ھنا فلا ومن ھنا قال فی شرح المنیۃ النذر کالنفل[1]

قوی کی بنا ضعیف پر تب منع ہے جب قوت ذاتی ہو، اگر نذر کی وجہ سے عارضی ہو جیسا کہ یہاں ہے تو پھر مانع نہیں۔ اسی مقام پر شرح منیہ میں ہے کہ نذر نفل کی طرح ہوتی ہے (ت)

اور ضعیف بھی مانئے تو سبب وجوب مختلف ہیں جب بھی بنا صحیح نہ ہوئی جیسے ناذر ناذر کی اقتداء نہیں کرسکتا بلکہ ناذر مفترض کی اقتداء نہیں کرسکتا حالانکہ فرض اقوٰی ہے تو سبب وہی کہ سبب جدا ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء ناذر بمفترض ولا بناذر لان کلا منھما کمفترض فرضا اٰخر الا اذا نذر احدھما عین منذور الاخر للاتحاد[2] اھ۔

نذر ماننے والے کے لیے فرض ادا کرنے والے اور نذر ادا کرنے والے کی اقتداء صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں الگ الگ فرائض ادا کر رہے ہیں البتہ اس صورت میں جائز ہوگی جب دونوں کی نذر ایک ہو کیونکہ اس صورت میں اتحاد حاصل ہوگا اھ (ت)

مولوی صاحب نے یہاں بھی فاضل لکھنوی کا اتباع کیا اور فاضل لکھنوی نے حسب حوالہ خود قاضی جگن ہندی کا والحق احق ان یتبع (جبکہ حق ہی اتباع کے لائق تر ہے۔ ت)

بست چہارم تحقیق یہ ہے کہ جس نے فرض جماعت سے پڑھے اور تراویح تنہا وہ تو جماعتِ وتر میں شریک ہوسکتا ہے، اور جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں اگرچہ تراویح جماعت سے پڑھی ہوں وہ وتر کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یکفی ویشفی (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر تسلی بخش گفتگو کی ہے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۷۶
طحطاوی علی الدرالمختار " " دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۹۷
[2] درمختار باب الامامۃ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

درمختار میں ہے:

لولم یصل التراویح بالامام یصلی الوتر معہ[1]

اگر کسی نے تراویح امام کے ساتھ ادا نہیں کی تو وتر امام کے ساتھ ادا کرسکتا ہے (ت)

جامع الرموز میں ہے:

لکن اذالم یصل الفرض معہ لایتبعہ فی الوتر[2]

اگر فرض امام کے ساتھ ادا نہ کیے ہوں تو پھر وتر میں امام کی اتباع نہ کرے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

امالوصلاھا جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوترمعہ لاکراھۃ[3]

اگر فرض کسی اور کی اقتداء میں ادا کیے پھر وتر دوسرے امام کے ساتھ پڑھے تو اب کراہت نہ ہوگی (ت)

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی فقہائے کرام سے اس کی ممانعت ہی نقل کی اگرچہ صرف اس بنا پر کہ اس کی وجہ اپنی سمجھ میں نہ آئی اپنی خاص رائے مخالف بتائی، اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں،

درقنیہ از عین الائمہ ودرتاتارخانیہ از علی بن احمد رحمہ اللہ تعالٰی مرقوم کہ ہر کہ فرض با جماعت ادا نکردہ باشد وترہم بجماعت ادا نہ سازد وہمچنیں در غنیہ وغیرہا مذکور ست لیکن کدامی وجہ قوی معتد بہ عدم جواز معلوم نمی شود وحق جواز معلوم مے شود[4] انتہی۔

قنیہ میں عین الائمہ سے اور تاتارخانیہ میں علی بن احمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جو شخص فرض جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے وُہ وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔ اور اسی طرح غنیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ لیکن اس کے عدم جواز پر قوی ومعتد بہ وجہ معلوم نہیں ہوسکی جواز حق معلوم ہوتا ہے انتہی (ت)

امام عین الائمہ کرابیسی وامام علی بن احمد وقنیہ وغنیہ وجامع الرموز وردالمحتار کے نصوص صریحہ کے مقابل صرف آپ کی "معلوم نمی شود" (معلوم نہیں ہوسکی۔ت) پر عمل کی کوئی وجہ نہیں، کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت)

---

[1] درمختار | باب الوتر والنوافل | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۹۹
[2] جامع الرموز | فصل فی الوتر والنوافل | مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران | ۱/ ۲۱۶
[3] ردالمحتار باب الوتر والنوافل | مبحث صلٰوۃ التراویح | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/ ۴۷۶
[4] مجموعہ فتاوٰی | کتاب الصلٰوۃ | مطبع یوسفی لکھنؤ | ۱/ ۳۶-۱۳۵

بست وپنجم بارہ برس سے کم عمر کی تخصیص نہیں بلکہ صحیح ومختار یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز جائز نہیں اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو، امامتِ بالغین کے لیے بلوغ شرط ہے خواہ بہ ظہور آثار مثل احتلام وانزال خواہ بتمامی پانزدہ سال۔ درمختار میں ہے،

لایصح اقتداء رجل بصبی مطلقا ولا فی نفل علی الاصح[1] بالغ مرد کی اقتداء بچے کے پیچھے مطلقاً اگرچہ نفل نماز میں ہو اصح مذہب پر درست نہیں ہے (ت)

بست وششم آیتِ سجدہ کہ نماز میں تلاوت کی جائے سجدہ فوراً واجب ہے، اگر تین آیت کی تاخیر کی گنہگار ہوگا پھر اگر عمداً سجدہ نہ کیا نہ معاً رکوع کیا کہ سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا ہوجاتا تو اس کی اصلاح سجدۂ سہو سے نہیں ہوسکتی کہ وہ سجدۂ سہو ہے نہ کہ سجدۂ عمد، اور اگر سجدۂ تلاوت کرنا بھول گیا اور حرمتِ نماز سے باہر نکل گیا تو اب بھی سجدۂ سہو نہیں ہوسکتا کہ حرمت سے خروج جیسا کہ مانع سجدۂ تلاوت ہے یونہی مانع سجدۂ سہو، ہاں اگر حرمتِ نماز میں باقی ہے کلام نہ کیا اُٹھ کر چلا نہ گیا اور یاد آیا تو سجدۂ تلاوت پھر سجدۂ سہو دونوں کرے، اور سجدۂ سہو صرف اسی صورت سے خاص نہیں بلکہ اگر سجدۂ تلاوت نماز میں کیا مگر سہواً بتاخیر مثلاً دوسری رکعت میں یاد آیا کہ سجدۂ تلاوت چاہیے تھا اور اب ادا کیا جب بھی سجدۂ سہو کا حکم ہے اگرچہ سجدۂ تلاوت نماز میں ادا ہوگیا، درمختار میں ہے:

ھی علی التراخی ان لم تکن صلوتیۃ فعلی الفور لصیرورتھا جزأ منھا ویأثم بتاخیرھا ویقضیھا مادام فی حرمۃ الصلوٰۃ ولو بعد السلام، فتح[2] سجدۂ تلاوت لازم ہوتا ہے تراخی کے طور پر بشرطیکہ سجدۂ مذکورہ نماز میں لازم نہ ہوا ہو کیونکہ اگر نماز میں لازم ہوا تو فی الفور نماز کے اندر کرنا ہی ضروری ہے کیونکہ اب وہ نماز کا جُز بن گیا ہے لہٰذا اس کی تاخیر سے گنہگار ہوگا اور اس کی قضا بجالاسکتا ہے جب تک وہ حرمتِ نماز کے اندر ہے اگرچہ سلام کے بعد ہو، فتح۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ولو بعد السلام ای ناسیا مادام فی المسجد[3] قولہ سلام کے بعد الخ یعنی بھول جانے والا شخص جب تک مسجد میں ہے سجدہ ادا کرسکتا ہے (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] " باب سجود التلاوۃ " ۱/۱۰۵

[3] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱۸

اسی میں ہے :

لواخر التلاوۃ عن موضعھا فان علیہ سجود السھو کما فی الخلاصۃ جازما بانہ لااعتماد علی ما یخالفہ وصححہ فی الولوالجیۃ۔[1]

اگر نماز میں سجدۂ تلاوت مؤخر کردیا تو اس کی وجہ سے سجدۂ سہو آئے گا جیسا کہ خلاصہ میں بطور جزم بیان ہے یعنی اس کے مخالف قول پر اعتماد نہیں کیا جائیگا' ولوالجیہ نے بھی اسی قول کی تصحیح کی ہے۔ (ت)

ایضاً درمختار میں ہے :

سجود السھو یجب بترك واجب سھوا فلا سجود فی العمد قیل الا فی اربع۔[2]

بھول کر ترکِ واجب میں سجدۂ سہو ہوتا ہے لہذا قصداً ترک میں سجدۂ سہو نہیں ہوگا، بعض کی رائے میں صرف چار مقامات پر عمداً ترکِ واجب میں سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

اشار الی ضعفہ تبعا لنور الایضاح لمخالفتہ للمشھور وقد ردہ العلامۃ قاسم بانہ لایعلم لہ اصل فی الروایۃ ولاوجہ فی الدرایۃ۔[3]

نورالایضاح کی اتباع کرتے ہوئے انھوں نے اس کے ضعیف ہونے پر اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ قول مشہور کے خلاف ہے، اور علامہ قاسم نے اس کی یوں تردید کی ہے کہ اس قول کی روایت میں کوئی اصل معلوم نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی عقلی دلیل موجود ہے (ت)

بست و ہفتم دربارۂ ہلال تار کی گواہی شرعاً محض باطل و نامعتبر وحققناہ فی فتاوٰنا بمالامزید علیہ (ہم نے اس کی اپنے فتاوٰی میں خوب تفصیل بیان کی ہے جس پر اضافہ دشوار۔ ت) نامعتبر شرعی کا درجۂ اعتبار کو پہنچنا کیونکر' یہاں بھی مولوی صاحب نے مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا اتباع کیا ہے مولوی صاحب لکھنوی نے باآنکہ جابجا خود بے اعتباریٔ تار کی تصریح کی، جلد اول ص ۵۲۳ اس باب (یعنی رؤیت ہلال) میں صرف خبر، تار یا تحریر خطی کافی نہیں جب تک کہ بطور کتاب القاضی الی القاضی (قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف لکھنا۔ ت) کی تحریر نہ پہنچے، قاعدہ الخط یشبہ الخط (تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے۔ ت) کا مشہور ہے[4] ایضاً صفحہ ۵۴۰ بحسب ضوابط فقہیہ مجرد اخبارات تار وغیرہ درباب

---

[1] ردالمحتار	باب سجود السھو	داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/ ۴۹۷
[2] درمختار	"	مجتبائی دہلی	۱/ ۱۰۲
[3] ردالمحتار	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/ ۴۹۶
[4] مجموعہ فتاوٰی	کتاب الصوم	مطبع یوسفی لکھنؤ	۱/ ۲۷۲

حکمِ صوم و افطار معتبر نہیں[1]۔ صفحہ ۱۰۶ پر یہ لکھا:

واقعی در باب رؤیتِ ہلال شہرتِ اخبار معتبر ست اگر از شہرے خبرے رسیدہ کہ بہ شب گزشتہ در انجا رؤیت شدہ یا بوساطت تار برقی دریافت ایں امر شدہ تا وقتیکہ شہرت آں نہ شود از تحریرات کثیرہ واخبار عدیدہ معلوم نہ شود اعتبار آں نباید ساخت[2]

رؤیتِ ہلال کے بارے میں خبروں کی شہرت معتبر ہے، اگر کسی شہر سے یہ خبر آئے کہ گزشتہ رات اس جگہ چاند دیکھا گیا ہے یا تار کے ذریعے یہ خبر معلوم ہو تو جب تک کثیر تحریروں اور متعدد خبروں کے ذریعے یہ خبر شہرت حاصل نہ کرے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

اس کی شہرت ہوجانے سے یہ تو مراد نہیں ہوسکتی کہ جب اس شہر میں خبر مشہور ہوگئی کہ فلاں جگہ سے تار آیا ہے تو اب وہی تار جس کی خبر شرعاً ناکافی اور بحسبِ ضوابطِ فقہیہ نامعتبر تھی معتبر ہوجائیگا اسے تو کوئی عاقل گمان نہ کرے گا ورنہ کسی فاسق، فاجر، شراب خور، زناکار کی خبر شہر میں اُڑ جائے کہ وہ اپنا چاند دیکھنا بیان کرتا ہے تو چاہیے کہ معتبر ہوجائے، حالانکہ تار اُس سے بھی زیادہ بے اعتبار کہ فاسق اہلِ شہادت ہے ولہذا اگر حاکمِ شرع اس کی شہادت قبول کرلے حکم صحیح ہوجائے گا اگرچہ حاکم آثم ہو نص علیہ فی الفتح والبحر والدر وغیرہ من الاسفار الغر (فتح، بحر، در وغیرہ دیگر مشہور کتب میں اس پر تصریح ہے۔ ت) اور تار تو اصلاً اہلیتِ شہادت نہیں رکھتا، ہاں شاید یہ مراد ہو کہ جب اُس شہر سے متعدد تار آئیں تو اعتبار کیا جائے گا اور یہ اُس استفاضہ شہرت میں داخل ہوگا جسے فقہائے کرام نے دربارہ رؤیت معتبر رکھا ہے مگر خیال نہ کیا کہ یہ تعدد ہوگا تو مروی عنہ میں نہ راوی میں کہ یہاں بھی تار بابو اُن سب تاروں کا ناقل ہوگا حالانکہ اُن میں اکثر کفار ہوتے ہیں تو یہ استفاضہ مخترعہ اُس سے بھی بدتر ہوگا کہ ایک فاسق فاجر سرِ بازار پکارتا پھرے کہ فلاں شہر میں لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا ہے کیا اسے استفاضہ کہیں گے حاشا وکلا، اور جہاں تار گھر متعدد بھی ہوں اور فرض کریں کہ ہر آفس میں اُس شہر سے خبر آئی تو کیا چند کافر یا فاسق یا مجہول آکر کہہ دیں کہ فلاں جگہ کے فلاں فلاں سکان نے ہم سے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا تو یہ حکایت محضہ تا حدِ استفاضہ پہنچے گی، استغفر اللہ تار والا تو بے چارہ اتنی بات کا بھی گواہ نہیں اُس نے تو تار میں ایک حرکت پائی اور اس سے کچھ حروف مصطلحہ سمجھے جو نہایت جلدی میں کمال بے حزمی کے ساتھ ایک کاغذ پر لے کر چپراسی کے حوالے کیے، حرکت دینے والے بھی خود رؤیتِ ہلال

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۷۳

[2] 〃 〃 〃 ۱/۲۷۴

والے نہ تھے، وُہ وہاں کے بنگالی بابُو یا ہندو یا نصارٰی وغیرہم تھے، اُن کے پاس چاند دیکھنے والے خود نہ آئے، ایک پرچہ پر لکھ کر یا خود انگریزی نہ جانی تو کسی ہندو وغیرہ کفار سے انگریزی کرا کر کسی نوکر چاکر یا راہ چلتے کے ہاتھ تار آفس میں بھیج دی وہ وہاں کا بابو یہاں بھیج دے گا اس کی بلا کو بھی غرض نہیں کہ جس کے نام سے تار جاتا ہے خود وہ بھیجتا بھی ہے یا کسی نے محض جھوٹ اس کی طرف سے تار دلوایا ہے ایسے نفیس سلسلے کی خبر اگر شرع معتبر کرے تو قیامت ہے، یہ تو تار کے مہملات ہیں، زبانوں کی کہی ہُوئی خود ہمارے آگے مسلمانوں کی اڑائی ہُوئی ہزار افواہ بازار ہرگز استفاضہ شرعیہ نہیں جب تک پایۂ ثبوت و تحقیق کو نہ پہنچیں پھر متعدد تاروں سے سوا اس کے کہ گورنمنٹ کے خزانے میں چند روپے داخل ہو گئے، اور کیا نتیجہ! یہاں جو استفاضہ شرع نے معتبر فرمایا اس کے معنی معلوم کیجئے، ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلک البلدۃ انھم صاموا من رؤیۃ لامجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعہ کما قد تشیع اخبار یتحدث بھا سائر اھل البلدۃ ولا یعلم من اشاعھا فمثل ھذا لا ینبغی ان یسمع فضلا من ان یثبت بہ حکم اھ قلت وھو کلام حسن ویشیر الیہ قول الذخیرۃ اذا استفاض وتحقق فان التحقق لایوجد بمجرد الشیوع۔[1]

شیخ رحمتی کہتے ہیں کہ استفاضہ کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر کوئی یہ اطلاع دے کہ انھوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں کہ جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو جیسا کہ بہت سی باتیں شہروں میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، تو ایسی بات کو سُننا مناسب نہیں چہ جائیکہ اس سے کوئی حکمِ شرعی ثابت کیا جائے اھ قلت یہ کلام بہت ہی خوب ہے، ذخیرہ کے ان الفاظ میں بھی یہی بات ہے کہ جب مشہور و متحقق ہوجائے تب لازم ہوگا کیونکہ ثبوت و تحقق محض افواہ سے نہیں ہوگا۔ (ت)

دیکھئے استفاضہ اس کا نام ہے کہ اُس شہر سے متعدد جماعات آئیں اور سب یک زبان خبر دیں کہ وہاں رؤیت ہُوئی اور روزہ چاند دیکھ کر رکھا، بے تحقیق خبریں جن کی سند معلوم نہیں اگرچہ تمام اہلِ شہر کی زبان پر ہوں کان رکھنے کے قابل بھی نہیں ہوتیں، نہ کہ اُن سے کسی حکمِ شرعی کا اثبات۔ انصاف کیجئے تو تار کی یہی حالت ہے شہر والے ہرگز یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ یہ اشاعت کن لوگوں کے ہاتھوں سے ہُوئی، تار کے فارم کس نے لکھے،

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم دار احیاء التراث العربی بیروت ۹۴/۲

تاربابو کو فارم دینے کون گیا، وہاں کا تار بابو کون تھا، یہاں کون ہے چپراسی کہ دے گیا کون تھا تو وہی رہا کہ لایعلم من اشاعھا (اسے مشہور کرنے والے کا علم نہیں۔ت) اور استفاضِ لغوی کے ساتھ تحقق محقق نہ ہوا کہ استفاضہ شرعی ہوتا، اور یہیں سے ظاہر کہ انتظام زمانہ حال جس پر مولوی لکھنوی صاحب نے اعتماد اشکال کیا یہاں کچھ بھی بکار آمد نہیں، انتظام اس کا ہے کہ تار جو دیا جائے اپنی تین مقررہ میعادوں پر بھیج دیا جائے گا اس میں فرق نہ آئے گا مکتوب الیہ ملا تو اسے پہنچا دیا جائے گا، آفس کی غلطی سے نہ پہنچا تو محصول اتنی مدت تک واپس دیا جائے گا۔ یہ انتظام اصلاً نہیں کہ تار دینے جو آئے اس کی شناخت لی جائے کہ آیا وہی ہے یا دوسرا شخص غلط سلط اُس کے نام سے دیتا ہے، نہ اس کا انتظام ہے کہ فارم لکھنے والے نے کلام قائل کا صحیح ترجمہ کیا ہے یا اُس نے کچھ کہا اور یہ تار کے تنگ لفظوں میں اُسے ادا نہ کرسکا یا محصول کے بچاؤ کو مطلب ناقص رہ گیا، نہ اس کا انتظام ہے کہ تار دینے، لینے، پہنچانے والے عادل، ثقہ، متقی ہونا درکنار، مسلمان ہی ہوں، پھر انتظام مذکور نے کیا کام دیا، باقی تفصیل فتاوائے فقیر میں ملاحظہ ہو اور ان تمام خرابیوں سے قطع نظر کیجئے تو قبول استفاضہ جس امر پر مبنی تھا یہاں عامّہ بلاد میں سرے سے وہ مبنٰی ہی مفقود ہے، مبنٰی یہ تھا کہ استفاضہ سے اُس شہر میں روزہ ہونا بالیقین ثابت ہوگا اور شہر عادۃً حاکمِ شرع سے خالی نہیں ہوتا اور روزہ وعید حکمِ حاکمِ اسلام ہی سے ہوا کرتے ہیں تو اس استفاضہ سے معلوم ہوگا کہ اُس شہر میں حاکمِ شرع نے حکم دیا اور اس کا حکم حجتِ شرعیہ ہے لہذا مقبول ہوگا جیسے دو گواہ عادل گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں حاکمِ شرع کے یہاں شہادتیں گزریں اور اس نے حکم دیا۔

ردالمحتار میں ہے:

الاستفاضۃ لما کانت بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بھا ان اھل تلک البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بھا لان البلدۃ لاتخلو عن حاکم شرعی عادۃ فلابد من ان یکون صومھم مبنیا علی حکم حاکمھم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور[1]

جب استفاضہ خبرِ متواتر کی طرح ہے اور اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس شہر کے لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل ہوگا کیونکہ عادۃً شہر حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں لامحالہ ان کا روزہ ان کے حاکم شرعی کے فیصلہ پر مبنی ہوگا تو اب استفاضہ بمعنی حکم مذکور کا نقل کرنا ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

یہاں عامہ بلاد میں نہ حاکم شرعی نہ لوگ پابندِ احکامِ شرعی، پھر استفاضہ ہُوا بھی تو کیا وحسبنا اللہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بست و ہشتم مسئلہ اختلافِ مطالع کی تحقیق اعلیٰ وجہ انیق پر بحمد اللہ تعالیٰ بیان ہوچکی جس سے روشن کہ وہ اصلاً کبھی کسی ہلال میں معتبر ہونے کے قابل نہیں۔ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد:

انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا[1] الحدیث۔

ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں ہم ماہ کو یُوں یُوں شمار کرتے ہیں الحدیث (ت)

مطلقاً اس کے ابطال واہمال کو کافی ووافی کہ اس کی بنا ہر مہینے میں انھیں حسابات غیر مضبوط پر ہے جن کو شرع مطہر یکسر ساقط النظر فرماچکی مگر دربارۂ ہلال اضحی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کو براہِ بشریت ایک اشتباہ واقع ہُوا اور انھیں گمان گزرا کہ یہاں اس کا اعتبار چاہئے وُہ خود بھی اسے مسئلہ مذہب نہیں بتاتے صرف اپنی ایک رائے کہتے اور تصریح فرماتے ہیں کہ یہ حکم میں نے کسی کتاب میں نہ دیکھا اور اس کی بنا دو بلکہ ایک ہی امر پر کرتے ہیں اگر وُہ اپنے اس خیال کا منشا ظاہر نہ فرماتے تو شبہ رہتا کہ شاید یہاں کوئی دقیقہ ہو مگر الحمدللہ کہ ان کے بیان نے امر واضح کردیا اُن دونوں امر میں علامہ شامی کی رائے سامی سے لغزش ہوئی ہے تو ان کے اتباع کی طرف ہرگز سبیل نہیں۔

امر اوّل یہ فرمایا کہ اختلاف مطالع صوم میں تو اس لیے نامعتبر ہُوا تھا کہ حدیث نے اُسے مطلق رؤیت سے متعلق فرمایا تھا کہ جب کہیں چاند دیکھا گیا رؤیت ہوگئی بخلاف اضحیہ کہ اس کا ویسا تعلق وارد نہیں۔

امر دوم یہ کہ کلامِ علما سے کتاب الحج میں مفہوم ہوتا ہے کہ دربارۂ حج اختلاف مطالع معتبر ہے تو اگر بعد وقوف گواہ گزریں کہ آج دسویں تھی قبول نہ کی جائے گی۔ ردالمحتار میں فرمایا:

لا یعتبر اختلافھا بل یجب العمل بالاسبق رؤیۃ وھو المعتمد عندنا وعند المالکیۃ والحنابلۃ لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرؤیۃ فی حدیث صوموا لرؤیتہ[2]۔

اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ پہلے چاند کی رؤیت پر عمل واجب ہوگا اور یہی ہمارے (احناف) مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں معتمد ہے کیونکہ حدیث پاک "صوموا لرؤیتہ" (چاند دیکھنے پر روزہ رکھو) میں خطاب مطلق رؤیت کو شامل ہے۔ (ت)

---

[1] سُنن ابی داؤد کتاب الصیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۷

[2] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۶

تنبیہ : یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم شیئ لوظھر انہ رؤی فی بلدۃ اخری قبلھم بیوم وھل یقال کذٰلک فی حق الاضحیۃ لغیر الحجاج لم ارہ والظاھر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلٰوۃ یلزم کل قوم العمل بما عندھم۔[1]

تنبیہ : کتاب الحج میں کلامِ علماء سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے کیونکہ اگر واضح ہوجائے کہ کسی دوسرے شہر میں ایک دن پہلے چاند دیکھا گیا تھا تو اب حجاج پر کوئی شے بھی لازم نہ ہوگی، اور کیا قربانی کے بارے میں غیر حجاج کے حق میں بھی یہی کہا جائے گا ؟ اس بارے میں حکم میری نظر سے نہیں گزرا، ظاہر یہی ہے (کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ہوگا) کیونکہ صوم میں اختلافِ مطالع کا اعتبار اس لیے نہیں کہ حدیث مبارکہ میں روزہ کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے بخلاف قربانی کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ اوقات نماز کی طرح ہے ہر قوم پر اپنے اوقات کے مطابق عمل لازم ہوگا۔ (ت)

اقول دونوں صحیح نہیں، الحمدللہ دربارۂ اضحیہ بھی ویسی ہی حدیث وارد ہے جیسی صوم وافطار میں بھی شرع نے اُسے بھی مطلق رؤیت سے ویسا ہی متعلق فرمایا ہے جیسا اُن دونوں کو سنن ابی داؤد شریف میں امیرِ مکہ حارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے :

قال عھد الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ننسک للرؤیۃ فان لم نرہ وشھد شاھدا عدل نسکنا بشھادتھما۔[2]

ہمیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ رؤیت پر قربانی کریں پھر اگر ہمیں رؤیت نہ ہو اور دو گواہ عادل گواہی دیں تو ان کی گواہی سے قربانی کرلیں۔

امام دارقطنی نے فرمایا : ھذا اسناد متصل صحیح[3] (اس کی سند متصل اور صحیح ہے۔ ت) اور حج میں ردِ شہادت نہ بربنائے اعتبار اختلاف ہے ورنہ مہینہ بھر سے کم فاصلہ کی رؤیت گواہ بیان کریں تو مقبول ہو، حالانکہ علماء مطلقاً رد فرماتے ہیں بلکہ اس کی وجہ دفع حرج ہے جیسا کہ لباب وشرح لباب میں تصریح ہے یعنی ہزارہا کوس کے فاصلوں سے تمام اقطار واطرافِ زمین سے لاکھوں بندۂ خدا حج کے لیے

---

[1] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۹

[3] سنن دارقطنی باب الشہادت علی رؤیۃ الہلال حدیث ۱ نشر السنۃ ملتان ۲/۱۶۷

حاضر ہوئے اب کہ وقت گزر گیا گواہ گواہی دینے آئے کہ تم نے دسویں کو وقوفِ عرفہ کیا تمہارا حج نہ ہوا ، کتنا بڑا حرج عظیم ہے ، لاکھوں بندوں کے کروڑوں روپے کا خرچ اور جانوں کی مشقتیں سب برباد گئیں ، اب یا تو سال بھر اور یہ تمام لشکرہائے عظیم الشان مکہ معظمہ میں پڑے رہیں کہ نہ انھیں روٹی نصیب ہو نہ اہل مکہ کے لیے دانہ بچے یا حکم دیا جائے کہ سب اپنے وطنوں کو واپس جا کر ویسے ہی کروڑوں کے خرچ اور جانوں کی مشقت سے پھر سال آئندہ حاضر ہوں ان دونوں آفتوں سے اُن دونوں گواہوں کی تغلیط آسان تر ہے ۔

وقد قال اللہ تعالٰی ما جعل علیکم فی الدین من حرج[1]

اللہ تعالٰی کا ارشادِ مبارک ہے : اللہ نے تم پر دین میں تنگی نہیں فرمائی ۔ (ت)

ولہٰذا وہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر وقت ہنوز باقی اور تدارک ممکن ہے گواہی مقبول ہوگی پھر اعتبار اختلافِ مطالع کدھر رہا ۔ درمختار میں ہے :

شھدوا بعد الوقوف بوقوفھم بعد وقتہ لاتقبل شھادتھم والوقوف صحیح استحسانا حتی الشھود للحرج الشدید وقبلہ ای قبل وقتہ قبلت ان امکن التدارک لیلا مع اکثرھم والالا[2]

اگر وقوفِ عرفات کے بعد گواہوں نے گواہی دی کہ حاجیوں کا وقوف وقت کے بعد ہوا ہے تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور استحسانًا حاجیوں کا وقوف صحیح ہوگا ورنہ حرج شدید لازم آئے گا ، اور اگر گواہوں نے گواہی وقوف سے پہلے دی تو گواہی مقبول ہوگی بشرطیکہ رات کو اکثر لوگوں کے ساتھ تدارک ہو سکے ورنہ نہیں (ت)

خود اسی ردالمحتار میں ہے :

لوشھدوا بعد الوقوف بوقوفھم قبل وقتہ قبلت شھادتھم بخلاف الشھادۃ بانھم وقفوا بعد یومہ فان التدارک غیر ممکن اصلا فلذا لم تقبل[3] (ملخصًا)

اگر وقوف کے بعد گواہوں نے یہ گواہی دی کہ وقوف وقت سے پہلے ہُوا ہے تو گواہی مقبول ہوگی بخلاف اس صورت کے جب یہ گواہی ہو کہ وقوف یوم عرفہ کے بعد ہوا ہے کیونکہ اس صورت میں تدارک ممکن نہیں اس لیے گواہی مقبول نہ ہوگی (ت)

---

[1] القرآن ۲۲ / ۷۸

[2] درمختار باب الہدی مجتبائی دہلی ۱ / ۱۸۳

[3] ردالمحتار باب الہدی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ / ۵۲-۲۵۱

ان تصریحات کے بعد اُس سے اعتبار اختلافِ مطالع کی طرف خیال جانا محض شانِ بشریت ہے۔

کذٰلك یریکم اللہ اٰیتہ فی الافاق وفی انفسکم لعلکم تذکرون۔ اسی طرح اللہ تعالٰی تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے آفاق میں اور خود تمھارے اندر تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (ت)

بست ونہم چالیس[۴۰] روپے کو نصاب قرار دینے میں بھی شاید مولوی صاحب نے مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا اتباع کیا ہے مگر وہ صحیح نہیں صحیح چھپن[۵۶] روپے ہے جیسا کہ جواہر اخلاطی سے ثابت ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اُسے مفصل ذکر کیا۔

سیم تاریخ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۹ کو شب قدر بالاختلاف اور ۲۷ رمضان کو شب قدر بالاتفاق زمانے میں شاید اتفاق سے مراد قولِ جمہور ہو اگرچہ بالاختلاف سے اس کا مقابلہ سخت موہم خلاف ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اُن تاریخوں میں شب قدر ماننے والوں کے نزدیک ایک رمضان میں دو دو شب قدر ہوں، ایک اُن کے قولِ خاص کے مطابق اور دوسری ۲۷ کو قولِ متفق علیہ کے موافق۔ یونہی اس اشتہار میں اغلاط بکثرت ہیں مگر بعد ایام مبارکہ اگر انصاف وہدایت مطلوب ہو تیس[۳۰] رد کیا کم ہیں، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔